

زگارستان

میرزا یحییٰ خان

جلد اول - زگارستان

نگارستان

مولانا ظفر علی خان

پبلشرز یونائیٹڈ چوک انارکلی لاہور

باراقل

۲۰۰۰

مجسّد
للعم
۸

ز حرف سرودق آفتاب عالم پریس ہسپتال وڈ لاہور میں چھپا،

فہرست

صفحہ	عنوان	شمارہ	صفحہ	عنوان	شمارہ
۴۸	ہندوستان کے اسلامی جذبات	۱۹	ا	انتساب	
۵۰	چند علمی اور عمرانی نیکتے	۲۰	ب	نگارستان	
۵۲	دعوت کے ایک رفعتی کا جواب	۲۱			
۵۴	یورپ کا بین الاقوامی قانون	۲۲	۱	چراغِ کعبہ	۱
۵۶	حجت مقرر کا انتظار	۲۳	۲	پیغمبر کی دعا	۲
۵۸	سمندر کی روانی اور تخیل کی جولانی	۲۴	۴	مقتبہ بیضا کی دعا	۳
۶۳	زنگِ ظلام اور زنگِ اسلام	۲۵	۶	پیغامِ بیداری	۴
۶۸	نمودہ باز	۲۶	۷	مقتبہ قسطنطنیہ کا ترانہ	۵
۷۰	نادید بند	۲۷	۱۰	حجت حق کا اتمام	۶
۷۲	وہ اور ہم	۲۸	۱۲	جبرئیلی ترانہ	۷
۷۵	ستارۃ صبح	۲۹	۱۴	پھولوں کا تار بیل کے نام	۸
۷۶	منصفانہ کنکوسے بازی	۳۰	۱۵	جوئندہ یا بندہ	۹
۷۷	طریقیت کا کلام اللہ	۳۱	۱۶	نغمہ فارابی	۱۰
۷۸	عقل جنوں خیز	۳۲	۲۱	ہر مرزا	۱۱
۷۹	حکم و حکمت	۳۳	۲۸	رامائن کا ایک سین	۱۲
۸۰	دریہ کے ایک کبوتر کی یاد	۳۴	۳۶	تاجدارِ دکن	۱۳
۸۱	قافلہ اسلامیانِ ہند کا سالارِ اعظم	۳۵	۳۹	ایک بیسٹر کی آپ بیتی	۱۴
۸۲	تاجدارِ دکن میر عثمان علی خاں	۳۶	۴۱	لسان الغیب کے اشعار پر تفسیریں	۱۵
۸۴	علی گڑھ میں حضور نظام کا قدم مہینت	۳۷	۴۲	شاعرانہ گفت و شنید	۱۶
۸۵	شریعت اور طریقت کی آدینش	۳۸	۴۵	خواجہ حالی کی غزل پر تفسیریں	۱۷
۸۷	دتیا اور دنیا والوں کا نقشہ	۳۹	۴۷	لذنی معشوق اور دہلوی عاشق	۱۸

صفحہ	عنوان	شمارہ	صفحہ	عنوان	شمارہ
۱۲۰	اقتصاد	۶۵	۸۹	رب کعبہ کا لطفِ عام	۴۰
۱۲۱	دیوبند	۶۶	۹۰	ترک اور یورپ	۴۱
۱۲۲	حصارِ قادیان پر اسلام کا بھم	۶۷	۹۱	نہتے علیکم	۴۲
۱۲۳	تہذیب نوکابست خانہ	۶۸	۹۵	سرکارِ دعوام سے انتخاب	۴۳
۱۲۴	بالِ حبیب کی جنبش	۶۹	۹۶	سورۃ بقرہ کے بھول جانے کا انجام	۴۴
۱۲۵	باواؤلا	۷۰	۹۹	رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ	۴۵
۱۲۶	زیرِ باری	۷۱	۱۰۰	انقلاب اسے انقلاب	۴۶
۱۲۷	نریا کی لومڑی	۷۲	۱۰۱	سنگھٹن کی چکی اور شندھی کی چھلنی	۴۷
۱۲۸	مسلمان رضا کاروں کا ترانہ	۷۳	۱۰۲	سر علی امام	۴۸
۱۲۹	معصوم	۷۴	۱۰۳	لالہ لاجپت رائے	۴۹
۱۳۰	ابراہیم یوں کا گھر	۷۵	۱۰۴	نوجوانانِ وطن سے خطاب	۵۰
۱۳۱	سید کشفی شاہ	۷۶	۱۰۵	خونِ جگر کی چند بوندیں	۵۱
۱۳۲	پیامِ بنام مسلمانانِ ممبئی	۷۷	۱۰۶	مالا بار	۵۲
۱۳۳	قصرِ استعمار کا سالہ	۷۸	۱۰۷	انقلابِ برنگود	۵۳
۱۳۴	یعقوب گورا باوا	۷۹	۱۰۹	قضیہ منشی پورہ کالج کا تصفیہ	۵۴
۱۳۵	جواہر لال نہرو اور ہندو سبھا	۸۰	۱۱۰	کوئٹے کا زلزلہ	۵۵
۱۳۶	زندہ دلائلِ مسیحیہ	۸۱	۱۱۰	کشمیر کمیٹی	۵۶
۱۳۷	ازیمیتو تائیہ مانڈلے	۸۲	۱۱۰	حضرت پیر کالون شاہ	۵۷
۱۳۸	کٹو	۸۳	۱۱۱	ہمارا جہ ہری سنگھ سے خطاب	۵۸
۱۳۹	تاریخِ رحلت خان بہادر ولی محمد	۸۴	۱۱۳	شیخ حرم الدین کی زبانِ بندی	۵۹
۱۴۰	بہشت	۸۵	۱۱۴	اسلام اور فقط اسلام	۶۰
۱۴۱	حالِ مست اور مالِ مست	۸۶	۱۱۵	صوتِ الحمیمہ	۶۱
۱۴۲	زلزلہ بہار	۸۷	۱۱۶	نظامِ کافضِ عام	۶۲
۱۴۳	کام کی باتیں	۸۸	۱۱۸	پچھڑی ہوئی دہن کی یاد	۶۳
۱۴۴	سہرام	۸۹	۱۱۹	صبحِ امید	۶۴

صفحہ	عنوان	شمارہ	صفحہ	عنوان	شمارہ
۱۷۷	وادعی جہلم	۱۱۵	۱۴۷	انسان کا پتھر دل	۹۰
۱۷۸	دعوت و ارشاد	۱۱۶	۱۴۸	بڑے باپ کے بیٹے	۹۱
۱۷۹	الکاسب حبیب اللہ	۱۱۷	۱۴۹	برق استعمار	۹۲
۱۸۱	گاندھی جی کی پسلی	۱۱۸	۱۵۰	ہنگامہ کشمیر	۹۳
۱۸۲	ارمنان ستادیاں	۱۱۹	۱۵۱	انقلاب بلوچستان	۹۴
۱۸۳	بیباکھی	۱۲۰	۱۵۲	زلزلہ زدگان بہار کی دستگیری	۹۵
۱۸۴	نئے نئے مخنتاں	۱۲۱	۱۵۳	جے یا بھے	۹۶
۱۸۶	سردکار دو عالم کا دربار	۱۲۲	۱۵۴	سائیکلین ٹرل کا عقد	۹۷
۱۸۸	تیلی پوشوں کا ترانہ	۱۲۳	۱۵۶	روٹی روٹی روٹی	۹۸
۱۸۹	بیک زندگی	۱۲۴	۱۵۷	کھنچوڑوں کے وائے پرتال کی دستک	۹۹
۱۹۰	شہزادے سلطان پور کی یاد میں	۱۲۵	۱۵۹	اطالوی حسینہ	۱۰۰
۱۹۱	نیلی پوشان جانڈھر	۱۲۶	۱۶۰	ذوق ادب	۱۰۱
۱۹۲	رقص سپند	۱۲۷	۱۶۲	چونڈہ	۱۰۲
۱۹۳	لالہ ناک چند ناز کی شاعری	۱۲۸	۱۶۳	اطالوی حسینہ مس روخو	۱۰۳
۱۹۴	نوجوان افغان سے خطاب	۱۲۹	۱۶۴	سپوٹل سبیل کی رونق عرباں	۱۰۴
۱۹۵	محمد کا عیند مسلمان	۱۳۰	۱۶۵	فریاد اور اس کا اثر	۱۰۵
۱۹۶	دیوان کپور بھٹہ اور زمیندار	۱۳۱	۱۶۶	ڈاکٹر سیف الدین کچلو	۱۰۶
۱۹۸	میرا وظیفہ	۱۳۲	۱۶۸	عبید اللہ خاں	۱۰۷
۱۹۹	محبت	۱۳۳	۱۶۹	حسن آباد بیاس	۱۰۸
۲۰۰	جہم آسمانی	۱۳۴	۱۷۰	خواجہ حسن نظامی	۱۰۹
۲۰۱	کتاب زندگی	۱۳۵	۱۷۱	شیطان کی حکومت سے تعاون	۱۱۰
۲۰۲	علی گڑھ کے نوجوانوں کا فیصلہ	۱۳۶	۱۷۳	مجاہدین بلوچستان	۱۱۱
۲۰۳	زلزلہ فٹڈ	۱۳۷	۱۷۴	روزنامہ آزاد	۱۱۲
۲۰۴	ملت کے سوا دماغ کی آواز	۱۳۸	۱۷۵	ساز حجاز	۱۱۳
۲۰۶	مولوی اور مالوی	۱۳۹	۱۷۶	مرد مومن کی شہریت	۱۱۴

صفحہ	عنوان	شمارہ	صفحہ	عنوان	شمارہ
۲۳۳	پیغام عجیب	۱۶۱	۲۰۷	مآکبان مشرق	۱۴۰
۲۳۴	نوبہ سار	۱۶۲	۲۰۸	تغزیر جرم عشق	۱۴۱
۲۳۶	مجلس اتحاد ملت کے مقاصد	۱۶۳	۲۰۹	نقارۂ حسدا	۱۴۲
۲۳۷	امر تسر کے نیلی پوش	۱۶۴	۲۱۰	پناہ بخدا	۱۴۳
۲۳۸	مدرستہ البتات جالندھر	۱۶۵	۲۱۱	پٹرول کا گدھا	۱۴۴
۲۳۹	فرزند ان توحید کی روش	۱۶۶	۲۱۳	ناموس رسول کے تحفظ کی قیمت	۱۴۵
۲۴۰	نیپال	۱۶۷	۲۱۴	خالد لطیف گابا	۱۴۶
۲۴۱	مسجد شہید گنج کی شہادت	۱۶۸	۲۱۵	رنبیر کی عروس	۱۴۷
۲۴۲	روما کا خطاب لندن سے	۱۶۹	۲۱۶	حفظ کلام اللہ کا درجہ	۱۴۸
۲۴۳	تاجدار مدینہ کے غلاموں کی شان	۱۷۰	۲۱۷	لا تحف انک انت الاعداء	۱۴۹
۲۴۴	کعبہ اور اس کی بیٹیاں	۱۷۱	۲۱۸	استعمار کی بھینس کا انڈا	۱۵۰
۲۴۵	زمیندار کی تعلیم	۱۷۲	۲۱۹	نعرۂ خروسی اور اس کا جواب	۱۵۱
۲۴۶	قدرت کے کھیل	۱۷۳	۲۲۰	عید الضحیٰ ۱۳۵۲ھ	۱۵۲
۲۴۷	مسلم یونیورسٹی سے ایک سوال	۱۷۴	۲۲۱	تہذیب جدید کا انڈا	۱۵۳
۲۴۸	مسجد انگور راولپنڈی	۱۷۵	۲۲۲	منکر ختم نبوت کا حشر	۱۵۴
۲۴۹	بلالستان	۱۷۶	۲۲۳	جہانیاں۔	۱۵۵
۲۵۱	ڈاکٹر مختار احمد انصاری	۱۷۷	۲۲۴	اسلام اور اس کے حریف	۱۵۶
۲۵۲	امیر شریعت احرار کے مواظفِ حسنہ	۱۷۸	۲۲۵	وقادار ابن مادر زاد	۱۵۷
۲۵۳	دریا ئے ناسفۃ	۱۷۹	۲۲۸	زمیندار اور مجلس احرار	۱۵۸
۲۵۵	میشاق گجرات	۱۸۰	۲۳۰	بلوچستان	۱۵۹
		۱۸۱	۲۳۱	احسار کا جنازہ	۱۶۰

انتساب

ملتِ بیضا کے حضور میں
کیونکہ

یہ مجموعہ کلام اسی کے جذبات و نظریات کا آئینہ دار ہے
گرفتارِ بولِ افتد زہے عز و شرف

ظفر علی خاں

نگارستان

اگر شرمندہ تعبیرِ سیرِ خواب ہو جائے
مسلمان باندھ کر سر سے کفن آجائیں میدانیں
مسلمانوں کی ملیخاریں کہیں روکے سکتی ہیں
ہے خود اللہ ساقی ان سیّدوں کی محفل کا
فلسطین کے مجاہد نے یہ اپنے جی میں ٹھانی ہے
انوت اس کو کہتے ہیں کہ چبھے کاٹا جو کابل میں
وہ وقت آیا کہ نیل و جلد کی موجیں ملیں باہم
حکومت کا تقاضا ہے کہ حکمت ساتھ در اس کا

تو سارے ہند کا مشکل کشا پنجاب ہو جائے
تو دشمن جس قدر ہیں زہرہ سب کا آب ہو جائے
سمندر بھی جو رستے میں پڑے پایا ب ہو جائے
ملے پانی بھی گراں کو شرابِ ناب ہو جائے
مرے خونِ شہادت سے جہاں سیراب ہو جائے
تو دہلی کا ہراک پیر و جواں بے تاب ہو جائے
اور ان دونوں میں شامل لجنہٴ چناب ہو جائے
کوئی بن جائے فارابی کوئی زریاب ہو جائے

بہارستان کے بعد آئے نگارستان کی باری

تو مجموعہ مرے اشعار کا نایاب ہو جائے

(۱)

چراغِ کعبہ

عرب کا اور عجم کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا
جہاں میں روشنی پھیلی چراغِ کعبہ کی گھر گھر
جب اس کی تیل بتی کا نبی خود کر گئے سا
بجھا سکتی ہو پھر کب اس دئے کا کفر کی ضرر
یہاں اہلِ اسلام کی باتیں ہاں وہاں کی گتیاں
ادھر اسلام کی تکبیر اُدھر اصنام کی ہر ہر
رسول اللہ کی اُمت کی رنگا رنگیاں دیکھو
کہیں چینی کہیں ترکی کہیں ہندی کہیں بربر
سلام اُس پہ کیا اس طرح ازبچیں نے قرآن کو
کہ جو کچھ شُن لیا جبریل سے دُہرا دیا فر فر
تم سے دروازہ کی چو کھٹ ہی یارب یہ میرا
یہ سحر جب ہو چکا تیرا تو پھر میں کیوں پھڑ پھڑ

مرا خس پوش کا شانہ کہیں اچھا ہو راستا میں
اُس ایوانِ نشید سے جو ہے پروردہ مرمر

(۲)

اُمت کے حق میں

پیغمبر کی دُعا

مسلم ہے خدا کے بعد جس کی شان بیکسانی
وہ جیسا یا تو تھے اُس کے اک ایسا انقلاب آیا
وہ ساتی جس کی محفل کے لئے دوش ملا نکلتے
وہ اُمّی کر دئے حل جس کی ابجد ناشناسی نے
وہ آقا جس کی رحمت کی فراوانی کے دامن میں
وہ مولا جس کے لطفِ نہایت کا یہ عالم تھا
بٹھایا انتم الاعلون کی مسند پر اُمت کو
ہم اب تک بھی اسی کے ہیں مگر یہ کیا قیامت ہے
ہے نام اُس کا محمد ابن عبد اللہ طحطائی
کیہیں اس وقت تک ہر دمہ انجم تماشائی
خمسٹانِ ازل سے مے بدو میں سر مُبرائی
وہ تکتے جن کو سمجھے تھے نہ اشتراقی نہ مشائی
جہانِ اسود و احمر نے یکساں پرورش پائی
کہ تنگ اُس کے لئے تھی مشرق و مغرب پہنائی
مسلمانوں کے سر پر اُس نے رکھا تاج دارائی
کہ خود منظور ہم کو ہند میں ہی اپنی رسوائی

علاج اس رنجِ نکت کا ہو ایک سوہ دُعا اُس کی

اجابت کے لئے لازم ہوئی جس کی پذیرائی

یہاں تک کچھ چکا تھا میں کہ شربے نذا آئی یہ نابینا ہیں یا رب مرحمت کر ان کو بینائی
 عطا کر اگلے وقتوں کی بلندی ان کی ہمت کو اور ان کے بازوؤں کو بخش پہلی سی توانائی
 پراویں کی غلامی سے انہیں آزاد کر یا رب بچے ان کی جیلتی میں پھر آزادی کی شہنائی

تھے ہیں یا بھلے ہیں پھر بھی یہ سیر ہی بند ہیں

مری اُمت تھے ہی کعبہ کی یا رب شیدائی



(۳)

ملت بیضا کی دُعا

بدرگاہِ محیب الدعوات

اپنی عزت کا وہ خود کرتی تھی جب تک اہتمام
 سجدہ گاہ مشرق و مغرب تھی اُس کی آستین
 غیر کو ہونے نہ دیتی تھی کبھی گھڑیں خیل
 اُس کی سطوت سے لرز جاتی تھی ساری کائنات
 اُنڈلس سے چین تک پہنچا لگا کر ایک جیت
 ایک بیک اسلام کا وہ کرو فر جاتا رہا
 وہ الستی رشتہ ٹوٹا خود ہمارے ہاتھ سے
 قول پیغمبر بنا ————— رایہ لہو الحدیث

محترم تھی سب کے نزدیک اُمت خیر الانام
 اُس کے سر پر سایہ افکن تھا خدا کا لطف عام
 آپ کرتی تھی وہ اپنے گھر کا سارا انتظام
 اُس کی عظمت کا ثریا سے بھی اونچا تھا مقام
 بارہا اُس کی عزیمت کا سمنڈ تیر گام
 ہو گئی صبح وطن و احسہ تا غربت کی شام
 جو کبھی تھا برتر از اندیشہ ہائے انفصام
 قصۂ پارینہ ٹھہرا اب اکبر کا کلام

جبر و استبداد کی چکّی میں دُنیا پس گئی ○ اب نہ وہ امنِ اماں ہوا نہ وہ صلح و سلام
 سر سے پہلے کاٹ لی جاتی ہر ملت کی زبانا مُنہ پہ آتا ہو جو بھولے سے بھی آزادی کا نام
 عمرِ حن کی ہر درازی میں صد و پنجاہ سال لے رہی ہر قدرت اُن کو تاہید کا انتقام
 اپنے بندوں کی خطا کو شنی کو یارب بھول جا اے کہ پہلے دن سے ہر تجھ کو خطا پوشی سے کام
 تَبنا افرغِ علینا موحی از مینائے خویش آنکہ کا فوراً ستِ روشن آنکہ شکِ استنش ختام
 اپنے فیضِ لم یزل کے خُم کے منہ کو کھول دے خشک لب ہیں ہندوستان کو بھر کر دے وہ جام

جس کی اک جنبش بدل دے چرخِ مینائی کا رخ

جس کی اک گردش پلٹ دے زہمِ عالم کا نظام



پیغامِ بیداری

خدا کو نور کے تڑکے پکار لے مسلم نکل کے گھر سے رہ کوئے یار لے مسلم
 نماز فرض ہے اس فرض سے نہ غافل ہو بڑا یہ قرض ہے اس کو اتار لے مسلم
 ہے چند روزہ تری عمر اسے غنیمت جان خدا کی یاد میں اس کو گزار لے مسلم
 پکارتا ہے مؤذن کہ میٹھی نیند سے جاگ اور اٹھ کے عاقبت اپنی سنوار لے مسلم
 صلہ نماز کا تجھ کو خدا سے لینا ہے توبے حساب لے اور بیشمار لے مسلم
 درود بھیج رسول خدا پہ رہ رہ کر خدا کا نام لے اور بار بار لے مسلم
 زمانہ نے تری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے بحال کہہ کے یہ عزت قرار لے مسلم
 نماز پڑھ کہ ملے تجھ کو سلطنت کی عروس عراق و ہند و حجاز و تار لے مسلم

○ جسے خود اپنی ہی غفلت سے کھو چکا ہو تو

پھر اپنے ہاتھ میں وہ اختیار لے مسلم

مستند بی قادیان کا ترانہ

بل گئے ہیں مجھے کچھ قتل کے اندھے ایسے جن کی دولت سے مرا کیسہ زرا پناشتہ ہو
دین کے پردہ میں دُنیا کو چھپایا میں نے کہ اسی پردہ میں اچھی یہ مری داشتہ ہو

۱۔ ہماری معاش اور آرام کا تمام مدد ہمارے والد صاحب کی محض ایک مختصر آمدنی پر منحصر تھا اور بیرونی لوگوں میں سے ایک شخص بھی مجھے نہیں جانتا تھا۔ اور میں ایک گمنام انسان تھا۔ جو قادیان جیسے ویران گاؤں میں زاویہ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیشگوئی کے موافق ایک دُنیا کو میری طرف رجوع دے دیا اور ایسی متواتر فتوحات سے مالی امداد کی۔ کہ جس کا شکریہ بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہ تھی کہ دس روپیہ ماہوار بھی آئیں گے۔ مگر خدائے تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اٹھاتا اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے اُس نے ایسی دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے اور شاید اس سے بھی زیادہ ہو۔ اگر میرے اس بیان کا اعتبار نہ ہو تو بیس برس کے سرکاری رجسٹروں کو دیکھو تا معلوم ہو کہ کس قدر آمدنی کا دروازہ اس تمام مدت میں کھولا گیا ہے۔ حالانکہ یہ آمدنی صرف ڈاک کے ذریعہ تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ ہزار ہا روپیہ کی آمدنی اس طرح بھی ہوئی ہے کہ لوگ خود قادیان میں آکر دیتے ہیں اور نیز ایسی آمدنی جو لفافوں میں نوٹ بھیجے جاتے ہیں ”حقیقتہ الوحی“ صفحات ۲۱۱ و ۲۱۲ شکم زاد مرزا غلام احمدؒ اں جہانی پیغمبر قادیان، ۲۵ اگلے صفحہ پر،

لیکن اس میں کی ہو یہ بشرط کہ خوش ہو انگریز جس کا اقبال ہاں میں علم فراشتہ ہو
کھارہ ہاں غم بے مہری آقائے فرنگ سترہ سال سے یہ غم ہی مرا ناشتہ ہو

۱۵ میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے
معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور محمدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے (دوسرا
مرزائے آل جہانی بحضور لفٹننٹ گورنر بہادر مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۷۱)

۱۶ والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ عاجز دنیا کے شغلوں سے علیحدہ ہو کر خدا کی طرف مشغول
ہوا اور مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے سچا س ہزار کے
قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک نیز دوسرے بلاد اسلام میں اس
مضمون کے شائع کئے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ
فرض ہونا چاہئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار
اور دعا گو رہے۔ اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں اردو فارسی عربی میں تالیف کر کے
اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ
میں بھی سچوئی شائع کر دیں اور روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور افغانستان کے
متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں
نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیئے جو نافرمانیوں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔
یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام
مسلمانوں میں اس کی نظیر کوئی مسلمان نہیں دکھا سکتا ستارہ قیصرہ شکم زاد مرزا غلام احمد
پنجمبر قادیان صفحہ ۳۱)

۱۷ پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات
کے روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

شو کہ جائے نہ کہیں میری نبوت کا درخت
یہ وہ پودا ہے جو سرکار کا "خود کاشتہ" ہے

پوری استقامت سے کام لیا کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دورانہ کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے؟ (کتاب البریۃ اشتہار مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء شکم زاد مرزائے آں جہانی) یا رہا بے اختیار دل میں یہ بھی گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفت جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام رکھوائے۔ اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم دن رات کیا خدمت کر رہے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ ضرور میری ان خدمات کی قدر کرے گی۔ اشتہار مرزائے آں جہانی مورخہ ۱۸۔ نومبر ۱۹۰۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت "جلد دہم صفحہ ۲۸)

۵۵ التماس ہے کہ سرکار و دولت مدار..... اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا خیال رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ (دو جزا رسالت مرزائے آں جہانی بخدمت لفٹنٹ گورنر پنجاب مندرجہ تبلیغ رسالت "جلد ہفتم صفحہ ۲۰)

(۶)

مَحَبَّتِ حق کا اتمام

آدم کی نسل پر پھوٹی محبت خدا کی ختم
اپنا جواب آپ تھی جو آخری دلیل
بطحا میں رحمت دو جہاں کا ہوا ظہور
آ کر محمد عربی نے لگائی مہر

تورات کا فسانہ سنانے کو رہ گیا
پیشینیوں کی سلک پیش لت تھی جس قدر
ایمان کو جن سے شکوہ اجمال تھا کبھی
سوتے ہوؤں کو اُس کی صدا نے جگا دیا

دنیا کی محفلوں کے دے سائے سمجھ گئے
آفاق اعتدال کے سپانے میں ڈھل گیا

دنیا میں آج دین کی تکمیل ہو گئی
افلاک پر حوالہ جب ریل ہو گئی
منشاء کمر و گار کی تعمیل ہو گئی
اللہ کے قبالہ کی تعبیل ہو گئی

منسوخ اُس کے آتے ہی انجیل ہو گئی
اسلام کے خزانہ میں تجوید ہو گئی
قرآن میں اُن نکات کی تفصیل ہو گئی
آواز اُس کی صورتِ سرائیل ہو گئی

روشن جب اُس کی بزم کی قندیل ہو گئی
ارکان کائنات کی تعبیل ہو گئی

ہیبت سے گفر لرزہ بر اندام ہو گیا باطل کی روح خوف سے تحلیل ہو گئی
 صحابِ فیل ارضِ حرم سے ہوتے فرار ہر کنکری حجارۂ سجیل ہو گئی
 نقشہ زمیں کا چشم زون میں بدل گیا اور ہیبت آسمان کی تبدیل ہو گئی
 مرزائیوں کا نام وزاد پر سے مٹا حق کے جلال سے یہی اک ٹھیل ہو گئی

میلادِ خواجہ دیوسرا کا ہے آج جشن
 اور اس کی مہتمم مری تخیل ہو گئی

(۷)

جبریلی ترانہ

ہماری مقدس روایات میں آیا ہے کہ ایک دن حضور سرور کون و مکان آیا بنا ہوا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حلقہ میں جلوہ افروز تھے اور وعیت و ارشاد کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک اجنبی آیا اور کمال بے تکلفی سے حضور کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا۔ اس اجنبی کا قد و راز، جسم سڈول، رنگ چمپئی تھا۔ سیاہ آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی حضور سے مخاطب ہو کر بولا: اے محمد! بتا تو سہی احسان کسے کہتے ہیں؟ حضور نے جواباً ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو رب کعبہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ جواب سن کر اجنبی نے کہا صدقت یعنی تو نے سچ کہا۔ پھر سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا: رب کعبہ کی عبادت اس انداز سے کہ گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس پر بھی اجنبی نے ازراہ تحسین صدقت کہا اور تیسرا استفسار یہ کیا کہ اے محمد! بتا اسلام کسے کہتے ہیں؟ حضور نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو خدا کو ایک سمجھے اور اسی سے لو لگائے، پانچ وقت کی نماز پڑھے۔ سال بھر میں تیس روزے رکھے۔ ڈھائی فیصد زکوٰۃ دے اور عمر بھر میں کم سے کم ایک مرتبہ حج کرے۔ یہ جواب باصواب سن کر اجنبی نے حسب معمول صدقت کہا اور سلام عرض کر کے رخصت ہوا۔ حضور سرور کون و مکان نے صحابہ سے پوچھا: جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟ انہوں نے بیکے بان عرض

کی کہ خدا اور خدا کا رسول ہی بہتر جانتا ہے، اہم نے تو آج تک اس اجنبی کی صورت بھی نہ دیکھی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے۔ اس تمہید کے بعد ذیل کے ترانہ کی حقیقت صحیح طور پر معلوم ہوگی :-

ایمان کا جھنڈا ہاتھ میں لے	احسان کا ہنڈا ہاتھ میں لے
پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے	اسلام کا ڈنڈا ہاتھ میں لے
جھنڈے کو کلیساؤں پہ اُڑا	ہنڈے کو حیرم جاں میں جلا
پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے	ڈنڈے کو بتوں کے سر پہ گھما
باندھے ہوئے چل شمشیر و کفن	پڑتا ہو جہاں گھمسان کا رن
پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے	کہ زندہ عرب کی رسم کہن
مرنا ہے تو اُس کی راہ میں مر	ڈرنا ہے تو ایک اللہ سے ڈر
پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے	اس مُکتہ کو رکھ لے پیشِ نظر
اُن کو نہ بڑھا اور آپ نہ گھٹ	غیروں میں نہ مل اپنوں سے نہ کٹ
پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے	فروں میں نہ بٹ مرکز سے نہ ہٹ
بطحا کے جنوں کا جوش ہے تو	مت بھول کفنِ برووش ہے تو

اس جوش میں گم مدہوش ہے تو

پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے

پھولوں کا تارِ بلبل کے نام

گجروم بلبلیوں کے نام پھولوں کا تیار آیا
 نسیم انگھیلیاں کرتی ہوئی گزریاں سے
 طیورِ صبح خواں کا نغمہ گونجا شاخسار میں
 زمینِ آسمان کی جہتیں اُتریں صفا اندر
 پرستارِ ان خاکِ کعبہ کی قسمت چمک اٹھی
 جہاں کا نقشہ بدلا مصطفیٰ کی ترک تازی نے
 بقدرِ منزلت بخشی گئی آزار کی لذت
 مری مشکل کو دُنیا میں نہ آساں کر سکا کوئی
 نہ کیوں رہے جبریل میں جوئے زباں مری
 کہ رخصت ہو گئی فصلِ خزاں عہدِ بہار آیا
 اور اُس کے پیچھے پیچھے ابرِ مروارید بار آیا
 وہ نغمہ جس کو سن کر جانِ مضطر کو قرار آیا
 خدا کے فضل کا لشکرِ قطار اندر قطار آیا
 نئی تقدیر کے سانچے میں ڈھل کر روزگار آیا
 عرب کے صدِ اول کا جنوں بروئے کار آیا
 مسلمانوں کے حصے میں دُعا کا فضاں آیا
 مصیبتِ یمنِ جمع کام آیا مرا پروردگار آیا
 کہ محبوبِ خدا کا نام اس پر بار بار آیا

وہ اُمی جس نے اُمت کو حیاتِ مٹری بخشی

وہ پیغمبرِ جو ہو کر شافعِ روزِ شہسار آیا

(۹)

جوتندہ یا بندہ

سو سچ کو جس کے نور نے رخشندہ کر دیا موتی کو جس کی آب نے شرمندہ کر دیا
 اپنے کرم کو آپ ہی جوتندہ کر دیا پھر میری احتیاج کو یا بندہ کر دیا
 آدم کے سر کو بخش دیا تاج کائنات اُس کے اس افتخار کو یا بندہ کر دیا
 اسلام کے سپرد ہوا جس کا اہتمام اُس کا رخانہ کا مجھے کارندہ کر دیا
 جس میں کوئی تمیز نہیں رنگ و نسل کی اُس سرزمین کا مجھے باشندہ کر دیا
 ہوتا ہے جن میں نام رسول خدا بلند اُن محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا
 سردارِ دو جہاں کا بنا کر مجھے غلام میرا بھی نام تا بہ ابد زندہ کر دیا
 اس زندگی کے فیض نے ہندوستان میں
 باطل کی قوتوں کو پراگندہ کر دیا

نغمہ فارابی

(۱۰)

بہ رہا ہر دجلہ گلزاروں میں لہراٹا ہوا
 یا جس کی موج سے ہتے تازہ المنصوب کی
 نقش ہو ساحل پر اُس کے نام ہارون الرشید
 زینتِ بزمِ تمدن رونق بخدا دے
 پھیلتا دیتا سمٹتا پیچ و خم کھاتا ہوا
 گردِ نیس جس نے جھکا دیں قیصر و غفوی کی
 علم و فضل و دانش و حکمت یہاں آباد ہے
 وہ جو قصہ ہے ارسطو اور افلاطون کا
 جس کی ہر شب تھی شقیہ اور ہر دن زعید
 سیم و زر کی ندیاں چاروں طرف جاری ہوتیں
 خاک میں سب مل گئیں نیان کی خود داریا
 مصر و ایران کے تمدن کا فسانہ رہ گیا
 نام وہ چمکا بنی عباس کا آفاق میں
 ماند ہے خورشید انور لا جوردی طاق میں

ایشیا میں پڑ رہی ہو ان افسانوں کی دھوم
 کانپتا یورپ میں ان کے نام سے ہر کلبِ قوم

لے نفقہ ورنائی سی فورس، قیصر روم نے خلیفہ ہارون الرشید کو ایک گستاخانہ خط لکھا تھا۔ ص

(۲)

آچلا افسوس عباسی خلافت میں نہ وال اب نہ وہ اگلی سی سطوت ہو نہ پہلا سا جلال
 قصر دولت کو ترزل کا پیام آنے کو ہے اس عمارت کا ستوں مرکز سے ہٹ جانے کو ہے
 جوشِ فرزندِ انِ عمِ مصطفیٰ کا سر وہ ہے عورتوں کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہر مرد ہے
 مملکت کی کس کو خواہش سلطنت کا کس کو ہوش رات دن ہو جھٹ شاپہیں شغلِ نا و نوش !
 علمِ رخصت ہو چکا تلوار میں رنگ آچلا آسمانِ عباسیوں کی وضع سے تنگ آچلا
 کوئی دم میں یہ بساطِ کمند اٹے گا فلک جس میں کچھ کچھ ہو نمایاں دورِ اول کی جھلک
 جل چکی سی گرہ ہے بل ابھی تک برقرار اب بھی ہیں اس اکھ میں پوشیدہ تقوٰی سے شہر
 پاتے ہیں دربار میں بار اب بھی اگر علم و فن اب بھی اس حیرے سے کچھ خالی نہیں یہ سخن
 ذیل میں جو دل نشیں قصہ سپردِ خامہ ہے
 وہ انہی وقتوں کی یادِ گرمی ہنگامہ ہے

(۳)

طرفِ دریا نصب ہوا ک شامیانہ زنگا جھجھکتی ایک مسند جس میں دیتی ہے بہا

۴۔ ہارون الرشید نے جواب دیا کہ اے رومی کتنے تو اپنے خط کا جواب سنے گا نہیں بلکہ
 دیکھ لے گا۔ چنانچہ قسطنطنیہ قاہرہ خلافت نے قیصر کے علاقہ میں برقِ دبا کی طرح پہنچ کر فریجا
 کے میدانوں میں اسے ایسی سخت شکست دی کہ صفحہ تاریخ پر یہ واقعہ ہمیں ابھی تک
 خون و آتش کے حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

جلوہ گر ہیں قلبِ مسند پر امیر المومنین حضرت خاقانِ اعظم مامنِ دُنیا و دین
خطبہٴ نبیا میں پڑھا جانا جو جن کے نام کا کیونکہ مرکزِ سمجھے جاتے ہیں یہی اسلام کا
گرچہ اجزائے خلافت ہو چکے ہیں منتشر ہے اثر اُن کی ارادت کا مگر ہر قلب پر
خاص خاص اعیانِ دولتِ زینتِ ربا ہیں کچھ عرب کچھ ترک کچھ تاجیک کچھ تاتار ہیں
حاجتِ درباںِ فریبہ سے کھڑے ہیں سامنے باندھ رکھی ہیں صفیں آداب کی خدام نے
جمع ہیں دربار میں کچھ فلسفی اور کچھ فقیہ کچھ سخنور بذلہٴ سنجی کر رہے ہیں فی البدیہہ
فخر کا موجبِ ایت ہے کسی کے واسطے ناز کا باعثِ رایت ہے کسی کے واسطے
فلسفی کہتے ہیں اُن کا عروۃ الثقلین ہو عقل اور فقیہوں کے لئے جبل المتین بنتی ہے نقل

باتوں باتوں میں غرضِ ننگ اک نبی لانی ہو بحث
حلت و حرمت پہ موسیقی کی چھڑ جاتی ہو بحث

(۴۷)

ایک کہتا ہو غنا مذہب میں جائز ہے نہیں نغمہ بدعت ہو مسلمان جس سے فائز ہے نہیں
ایسی محفل ہے خلافتِ شرع جس میں راگ ہو خرمینِ ایماں کے حق میں جس کی ہر نان آگ ہو
دوسرا کہتا ہو موسیقی سے ہو لطفِ حیات ہے شرابِ نغمہ سے لیرِ نیرِ جامِ کائنات
مسجدوں میں غلغلہ ہے رتل القرآن کا شورِ افسانوں میں ہے داؤد کے الحان کا
تیسرا کہتا ہو گر گھٹتے ہو گوشِ حق نبوش کیوں نہیں سُنتے پکارے سب میں کہتا ہو شر

راگ بھرا اپنے باجے ہیں اگر لائی نہ ہو محفل قدرت کی یہ ہنگامہ آرائی نہ ہو
 پھول پر بھونٹے کی گونج امبر یہ بادل کی گرج ساز قدرت کے یہ سُر ہیں ایک پنجم اک کھرج
 انتبا ز فعل و قوت کا جو نکلے دل سے چو گشت انوں سے نہیں کچھ کم نیتانوں میں شور

میٹھے نغموں پر جو غش ہوتا نہ خود رب قدیر
 انکرا الاصوات کیوں ہوتی بھلا صوت الحمیر

(۵)

اس دل آرا بحث کو سب گ سنتے ہیں لغو دفعہ دربار کا لیکن بدل جاتا ہے طور
 یک بیک گئی ہو جنبش میں صف پائیں جہا آگے بڑھنا چاہتا ہو ایک نو وارد جواں
 صوفیانہ وضع ہے پُر شکست انداز ہے ہاتھ میں اُس کے انوکھی وضع کا اک ساز ہے
 اُس کی آنکھوں میں بھرا ہو جذبہ بقا طیس کا سن یہی ہو گا کوئی بتیں یا تینتیں کا
 ہوتی ہو اُس نو جواں کی ظاہر اب فسونگری ساز ہو گو سالہ اُس کا اور وہ خود ہو سامری
 ساز چھڑتا ہے تو ہوتا ہے گمان بار کو یہ جواں شاید کپڑا لایا ہے موسیقار کو
 انگلیاں اُس کی جو صرف پر وہ ٹائے ساز ہیں خازنِ گنجینہ نفتِ نوائے راز ہیں
 اُس کی ہر گت میں کچھ ایسا اُس نے نکال دیا ہے سنے والوں کی گوں میں دوڑنے لگتا ہو خوں
 خود مگر اس وقت تک یہ نو جواں خاموش ہے ساز ہی اُس کا فقط دُرِ متاعِ ہوش ہے
 ساز سے خود بھی ملتا ہے وہ اب آواز کو زندہ کرتا ہے شبیہ پیکرِ اعجاز کو

نور کا اس شخص کو قدرت نے بخشا ہے گلا جس کی تانوں سے خلا میں جلوہ آ رہا ہو ملا
 اُس کی ہر اک گٹکری ہے ہالہ جرمِ قمر پڑ رہا ہے یا لگر جاو کے دریا میں بھٹور
 اُس کی تانیں ہیں سیلی اور ترانے جاں نواز و لگدازی ہیں ہیں سیلی، دل تو ازی میں ایاز
 اہل محفل کو سنا تا ہے کہانی نجد کی جس سے ہو جاتی ہو حالتِ مست طارنجی کی
 مست ہو کر جھوٹے لگتی ہے ساری انجمن لوحہ اور اک سے مشتابہ نقشِ ما و من
 دیکھ کر یہ حال جس سے عجیبت ہوں ملک نوجواں کے لب پہ آتی ہو تبسم کی جھلک
 لکھ کے اک پرچہ پہ کچھ مسند پہ دیتا ہو ڈال
 پھر وہ چپکے سے چلا جاتا ہو پھیل کر یہ حال

(۶)

برف میں ڈوبی ہوئی ہو سارے کشور کی ہوا ایک جھونکے میں وہ سونے کو دیتی ہو جگا
 رب سے پہلے کھولتے ہیں آنکھ امیر المومنین رنگ محفل دیکھ کر ابرو پہ آ جاتی ہے چیں
 نوجواں سا زندہ کا لیکن جاتا ہے خیال غور کرتے ہیں کہ جو اپنا وہی افسوں کا حال
 پوچھتے ہیں وہ مٹتی کون تھا اور ہے کہاں کوئی بھی لیکن بتا سکتا نہیں اُس کا نشان
 اتفاقاً آپ کی پرچہ پہ پڑتی ہے نظر جس سے کھلتی ہو جتنے کی حقیقت سرسیر
 پرچہ کا غدیہ تھا صرف اس قدر لکھا ہوا

اے خلیفہ یہ عمل بونصر فارابی کا تھا

(۱۱)

ہرمزان

اہل مغرب اور اُن کی دیکھی دیکھی مشرق کے بعض حلقے مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اسلام اگر دنیا میں پھیلا ہے تو اپنی سچائیوں کی بدولت نہیں بلکہ محض تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اقوامِ عالم کو اس کی صداقتوں نے سحر نہیں کیا بلکہ اس خوف نے مسخر کیا ہے کہ محمد کا کلمہ نہ پڑھا تو گردن اڑا دی جائے گی۔

جہالت اور تعصب نے نکتہ چینوں سے انصاف کی توفیق بالکل ہی چھین نہ لی ہوئی تو پھر آرمڈ کی طرح اُنہیں ماننا پڑتا کہ اسلام پر بڑو و شمشیر پھیلنے کا الزام قطعاً بے بنیاد ہے۔ اُس کی حیرت انگیز ترقی کا راز فقط اُس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم میں مضمر ہے مسلمان دیکھتے دیکھتے بنیائے کٹے جھٹے پر اس لئے چھا گئے کہ اُنہوں نے خدا کو پچانا، خدا کے بندوں کے مرتبہ کو پچانا، نسل و رنگ کے امتیاز پر خطِ تنبیخ کھینچ دیا۔ عرب و عجم کی تمیز اٹھا دی۔ گورے کالے کی تفریق مٹا دی۔ بنی آدم کو آزادی مساوات اور اخوت کا درس دیا۔ انصاف کو اپنوں اور پرہیزوں کے لئے عام کر دیا۔ پابندی عہد کو مشرفِ انسانی کا لازمہ قرار دیا۔ غیر قوموں کے افراد جب مسلمانوں کو ان اوصاف سے متصف پاتے تھے تو دل سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اس تاریخی حقیقت کے ثبوت میں ان گنت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اسلام کے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد کا صرف ایک واقعہ بیان کر کے یہ جتنا مقصود ہے کہ ایران کا سپہ سالار ہرمزان کس طرح اسلام لایا۔

ہرمزان عرب سے اول اول کسریٰ پر ویز کے عہد میں روشناس ہوتا ہے نعمان ابن منذر

”ناجدار حیرہ کو پروینہ نے مسیحیت قبول کرنے کی پاداش میں یا کسی اور علت میں گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور وہ قید ہی میں مر گیا۔ نعمان نے اپنا اسلحہ خانہ اور سارا ساز و سامان جنگ قبیلہ بکر کے سرزدار ہانی کے سپرد کر دیا بھتا۔ پروینہ نے یہ سامان ہانی سے طلب کیا۔ اُس نے انکا رکھا۔ اس پر پروینہ نے ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ ہانی سے سامان مطلوبہ جبراً وصول کرنے کی خدمت پر مامور کیا۔ سامان قبیلہ بکر ذی قاریں اپنی پوری فوجی قوت کے ساتھ جمع ہوا۔ اگھمسان کارن پڑا۔ اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ میں پُنعس نفیس موجود تھے۔ جب پانسہ ایرانیوں کے خلاف پلٹنے لگا تو حضور نے فرمایا کہ آج عرب نے پہلی مرتبہ ایران سے اپنی ذلتوں کا بدلہ لیا ہے۔

جنگ قادسیہ میں جس کے علمدار سعد بن وقاص تھے ایرانی سپہ سالار رستم کو فاش شکست ملی۔ رستم میدان جنگ میں مارا گیا۔ ایرانی فوج میں بھاگ پڑ گئی۔ کچھ افسر جن میں ہرمزان بھی تھا اس حالت میں داؤد ثابت قدمی دے کر لڑتے رہے لیکن مسلمانوں نے ایک ایسا جاسوساں حملہ کیا کہ ہرمزان اور اُس کے ساتھیوں کو راہ فرار اختیار کرتے ہی بنی۔

قادسیہ میں شکست کھا کر ایرانیوں نے بابل میں قدم جمائے۔ سعد نے اُن پر چڑھائی کی۔ اور بابل میں ایک بڑا معرکہ ہوا۔ ایرانی فوج گراں کے ایک حبش کا سپہ سالار ہرمزان تھا مسلمانوں نے کچھ اس بے جاگری سے حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پاؤں حسب معمول اکھڑ گئے۔ اور مسلمانوں نے میدان مار لیا۔

اس کے بعد ایرانیوں کو مختلف میدانوں میں مسلسل اور متواتر شکستیں ملتی رہیں تا آنکہ ابو موسیٰ اشعری نے جو حاکم بصرہ تھے خوزستان کے وسیع ایرانی صوبہ پر فوج کشی کی۔ ہرمزان نے بزدل و دغا بازی خدات اس شرط پر پیش کیں کہ اگر مجھے اجازت اور فارس و خوزستان کی صوبہ داری عہدت ہو تو میں عربوں کی پیش قدمی کا سد باب کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس منصب پر فوراً اُسے سرفراز کیا گیا۔ خوزستان کا صدر مقام شوشہ تھا۔ ہرمزان نے یہاں کے قلعہ کو

منہج کیا اور فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ طول و عرض کشمیر میں اپنے نقیب روانہ کئے جنہوں نے
حُبِ وطن کے جذبہ کے نام پر لوگوں سے فوج میں بھرتی ہونے کی اپیلیں کیں۔ اس طور پر ایک
بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ بصرہ سے مسلمانوں کو کمک دینے کے لئے جو دستہ فوج آیا دیکھا وہ تعداد
میں قلیل تھا۔ ہرمزان نے فوج کی کمانداری کے فرائض خود انجام دیئے۔ اور بڑی بہادری سے
لڑا۔ دد جلیل القدر مسلمان افسر اس کے ہاتھوں کھیت رہے۔ لیکن بائیں ہمہ فتح مسلمانوں
کی ہوئی۔ ایک ہزار ایرانی قتل ہوئے اور چھ سو قید کر لئے گئے۔ ہرمزان قلعہ بند ہو گیا اور جنگ
جاری رہی۔ ابو موسیٰ اشعری نے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر قلعہ ایک عرصہ تک سر نہ ہوا۔
ایک دن شوستر کے ایک شہری نے ابو موسیٰ کے پاس آکر شہر میں داخل ہونے کا ایک
خفیہ رستہ بتایا اور ایک عرب اشترس کو ساتھ لے لیا جو رات کے وقت شہر کی راہ نمائی
میں اس راستہ سے داخل شوستر ہوا اور ہرمزان کے محل تک پہنچ گیا جہاں ہر طرح کے خطرہ
سے غافل ہرمزان اپنے درباریوں کے بیچ میں بیٹھا دایہ پیش دے رہا تھا اور شراب غوانی
کا دور چل رہا تھا۔ اشترس نے واپس جا کر ابو موسیٰ اشعری کو یہ ساری کیفیت کہہ سنائی اور
دوسو کا رزمیہ سپاہیوں کا دستہ ہمراہ لے کر قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ خفیہ رستہ سے
اندروخل ہو کر انہوں نے پاسبازوں کو قتل کر دیا اور شہر پناہ کا پھاٹک کھول دیا۔ ابو موسیٰ
باہر اسی موقع کا منتظر تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی سارا اسلامی لشکر شہر کے اندر داخل ہو گیا۔
ہرمزان نے ایک برج میں پناہ لی اور پکارا کہ میری ترکش میں ایک سو تیر ہیں جب تک
اتنے ہی مسلمانوں کی لاشیں ترپتی ہوئی نظر نہ آئیں گی میں گرفتار نہ ہو سکوں گا۔ لیکن یہ اس
شرط پر برج سے نیچے اتر آنا ہوں کہ مجھے مدینہ پہنچا دیا جائے۔ میری نسبت عمر جو فیصلہ کریا
گے مجھے منظور ہوگا۔ ابو موسیٰ نے یہ تجویز منظور کر لی اور ہرمزان کو اس کے لاد لشکر اور بہرہ
بنگاہ سمیت حضرت انس کی معیت میں جن کا بیٹائی میدان جنگ میں ہرمزان کے ہاتھوں
شہید ہوا تھا دار الخلافہ کی طرف روانہ کر دیا۔

مدینہ میں ہرمزان اور اُس کے سارے کنبہ کا داخلہ بڑے شان و شکوہ اور طرانی سے ہوا۔ اُس کے جلو میں ایران کے متعدد نامور سردار تھے جن کے زرق برق کے لباس آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہے تھے۔ وہ خود ایرانی تہذیب کے تجل کی چلتی پھرتی صورت بنا ہوا تھا۔ سر پہ ایک مرصع تاج تھا۔ حیرت کے ایک پُر تکلف لباس نے جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے اُس کے جسم کو ڈھانپ رکھا تھا۔ کمر میں ایک خنجر جو ہنگار حایل تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ کسروانی دولت جہنم کی اس نگاہ کو خیرہ کرنے والی نمائش سے وہ عربوں کو مرعوب کر سکے گا۔ پایہ تخت میں داخل ہوتے ہی اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ یہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کا ڈنکا دُنیا میں بج رہا تھا اور جس کے نام کی ہیبت سے مشرق و مغرب تھر تھرکا رہے تھے اُس کا دربار بھی نرالے ٹھاٹھ کا ہو گا لیکن اُس کی جہت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے ایک شخص کو مسجد نبوی کے صحن کی خاک پر بیٹھے دیکھا اور لوگوں نے اُسے بتایا کہ عمر فاروق ہی ہیں۔

حضرت فاروق اعظم نے عجمی تکلفات کے اس پیکر متحرک پر ایک حقارت آمیز نگاہ ڈالی۔ جنگ فادسیہ کے بعد ہرمزان نے متعدد بار اپنے عہد کی خلاف ورزی کی تھی اور احد ابن وقاص سے جتنے معاہدے کئے تھے سب کو نہایت شوخ چٹھی سے توڑا تھا جو اسلام کے نزدیک ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ اس کے علاوہ معرکہ شوستر میں دو جلیل القدر اسلامی سردار اُس کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اُس کی ان ساری حرکتوں سے حضرت عمر بے حد برہم تھے اور آپ اُس کی گردن کو تیغِ جلا کے حوالے کر دینے کا عزم راسخ فرما چکے تھے۔ لیکن انصاف مقتضی تھا کہ اتمامِ حجت کے طور پر اُسے صفائی کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ اُس کو اجازت دی گئی کہ اپنی روش کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے جو کچھ کہنا ہے کہہ لے۔

ہرمزان نے کہا کہ اسے عمر جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم لوگ ہمارے غلام تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے اس لئے ہم تمہارے غلام ہیں۔ پھر کہا کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن میں سخت پیسا ہوں۔ شدت تشنگی سے علق میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ لب ٹر کرنے کو پانی کا ایک گھونٹ مل جائے تو جان ورا اطمینان سے نکلے۔ اُس کی یہ خواہش پوری کی گئی۔ اور پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ اُسے لا کر دیا گیا پیالہ ہاتھ میں لے کر اُس نے تھوڑا سا تامل کیا اور کہا کہ جب تک میں پانی پی نہ لوں مجھے قتل نہ کیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم نے اُس کی یہ التجا قبول کر لی اور اُسے اطمینان دلایا کہ جب تک وہ اپنی پیاس پانی کے اس پیالہ سے بجھانے کا اس کی گردن نہ ماری جائے گی۔ ہرمزان نے پانی کا آبِ نوره فوراً زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور پیاد میں وہ پانی ہی نہیں رہا جسے پیوں۔ اب آپ مجھے اپنے قول کے مطابق قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر کے اصول ایفائے عہد کے پاس اس منطق کی بے پناہی کا کوئی جواب نہ تھا۔

اس کے بعد ہرمزان نے بطیب خاطر کلمہ شہادت پڑھا اور اشدان لالا الہ الا اللہ شہد ان محمداً عبیدہ و رسولہ کہہ کر اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں اسلام کے فضائل کا ایک عرصہ سے معترف تھا اور دل سے اس کی حقانیت پر ایمان لا چکا تھا۔ پانی سے پیاس بجھانے کا حیلہ میں نے صرف اس لئے اختیار کیا کہ لوگ کہیں مجھے یہ طعنہ نہ دیں کہ موت کے ڈر سے میں نے اپنا مذہب تبدیل کر دیا ہے۔ ہرمزان کے اس اعلان سے حضرت فاروق اعظم کے دل میں مسرت کی ایک گونگ لہر دوڑ گئی۔ وہ اب آپ کا دست و بازو تھا۔ اور آپ نے اس کے لئے تاحین حیات و دہرہ دنیا و سالانہ کا منصب مقرر فرما دیا۔

اس دل کشنا تاریخی واقعہ کو میں نے نظم کا لباس پہنایا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

وہ تیغ جس کی چمک برقِ طور کی مانند
چلائی سعد نے جب فادہ سپید میں آکر
اس ایک فتح نے ایمان کو کیا تسخیر
اثر یہ تھا اسی فتح الفتوح کا کہ زمیں
بل رہا تھا زمانہ کا اور زمین کا رنگ
زوالِ دولت پر وینڈیل نہ سکتا تھا
جھکائی جا رہی تھی یزد و جرد کی گردن
مقاومت کے دکھائے عدو نے گرجوہر
گئی عجم کی غنیمت مدینہ کو جس وقت
تو ہرمزان کے بارہ میں سعد نے لکھا
جفا نہیں کوئی ایسی روا نہیں جو ہوئی
تھا ہو اس کی مسلمان کے خون سے رنگیں
ہوا جلالِ عمر کا فیصلہ اس پر
یہ ہرمزان پکارائیں تشنہ ہوں پہلے
دیا گیا جب اسے آبِ خورہ پانی کا
بنی تھی روشنی ویدہ جہاں کے لئے
لوتھریلوں نے قدم جھیک کے تیغ راں کے لئے
رہی نہ کوئی گمیں وودہ کیاں کے لئے
ہوئی تھی تنگ عجم کے خدا نکاں کے لئے
کہ مشغلہ ہے پڑانا یہ آسماں کے لئے
سکوں محال ہو گنبدِ پگروگاں کے لئے
موجودینِ عرب کے علوشاں کے لئے
یہ فخر و قف تھا بانٹے ہرمزاں کے لئے
کہ منتظر تھا وہ اس گنجِ شایگان کے لئے
بلا یہ ایک ہو اسلامیوں کی جاں کے لئے
عجم کے اس ستم اندوز قہرماں کے لئے
کفن بنی ہو جو آج اس خاندان کے لئے
منزلے موت ہو اس دشمنِ اماں کے لئے
بچھاؤ پیاس مری ربّ ہر باں کے لئے
تا تل اس نے کیا شاید امتحاں کے لئے

تسلی اُس کو خلیفہ نے دی یہ فرما کر
 نہ تیرے حلق سے جب تک اُترے یہ پانی
 جو یہاں ہو عُدو بھی تو احترام اُس کا
 پٹک کر اُس نے پیالہ کہا کہ خوف کے اب
 امان مل گئی مجھ کو ہو فرضِ عمدہ کا پاس
 مری جبین کے سجدوں میں بھی ازل سے تڑپ
 نہ کر سکا مگر اقرار اس حقیقت کا
 میں خوفِ قتل سے مذہب اگر بدل دیتا
 مگر خود اپنی خوشی سے نہیں اب یہ کہتا ہوں
 زباں ہو قول کو اور قول ہو زباں کے لئے
 حرام نگوں ہے ترا خنجرِ رواں کے لئے
 ہمارے کیش میں لازم ہو میناں کے لئے
 ملی نجات مجھے عمرِ جاوداں کے لئے
 حریمِ احمدِ مرسل کے پاسباں کے لئے
 حضورِ خواجہ گہاں کی آستان کے لئے
 خودی حجابِ بختی اقرار باللساں کے لئے
 تو لوگ کہتے یہ جیلہ ہو خطِ جاں کے لئے
 بنا ہے آج سے اسلام ہر مزاں کے لئے

بِکَلِمِ الشَّهِيدِ اِنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ
 جگہ بہشت میں نکلی مرے مکان کے لئے

رامائن کا ایک سین

ایک شہی کے داغ چکر کی کہانی راجہ جہر تھہ کی زبانی

(۱)

ابر تھ چھا یا ہوا اور فصل بھٹی برسات کی
 آفتاب اوڑھے چھوٹے تھ چھا پورا برسیا
 بادل اتنے ہیں دور ناسفتہ برسات لگا
 جھبم کراٹھی گھٹا ابر سی برس کر چھٹ گئی
 بادلوں سے نور خورشید اس طرف چھٹنے لگا
 سبزہ زاروں میں کلیں کہتے پھرتے تھے ہر
 جنگلوں میں مست ہو کر ناپختہ پھرتے تھے مو
 ڈھل کے پہنچا تھا افق کی آستان تک آفتاب
 تھی زمیں پہنچے تھے وروی ہری بانات کی
 برق کی چٹمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ
 داستان قلزم و عمارت کو ڈھرانے لگا
 گرد کی چادر زمیں کے منہ سے فوراً ہٹ گئی
 سائبان توں قریح کا اس طرف تننے لگا
 تھا صبا بن کا ہراک کو نہ ختن اندر ختن
 کو ہزاروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شو
 تھا شفق کا اس کے منہ پر ایک نارنجی نقاب

(۲)

بیش آراہین نظر تھے کچھ ایسے دل فریب
 ہاتھ سے جاتا رہا دل پیر اور دل سوشلیک

عالم ان خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جی میں آیا میرے رہ رہ کر ہی بے اختیار
ہاتھ میں ترکش لئے کاندھے پہ لٹکے ہو گئے
پُور ہی تھی ہر طرف میری تخت س کی نظر
گھاٹ پر جاتا ہو پیاس اپنی تھکان کے لئے
دفعۂ ہدی سے قلقل کی ہوئی پیدا ہو گیا
گرچہ انگل سے چلایا نہیں رہے تھے اس زنجیر کو
آہ سینے سے کی کے ایک کھچی ورد تاک

جوش تھی کھ مری رنگ رنگ میں ساری ہو گیا
گھر سے نکلوں جا کے جنگل میں کوں بیٹھ کر
میں چلابن کی طرف گھر سے کل کر شاداں
تاک میں تھائیں کہ شاید کوئی پیاسا جانور
اورینے تاج گہ میرے نشانی کے لئے
اور مرا تیر اس عدا کی سمت غرق میں چلا
لیکن اس کی نہیں لے آئی قضا پتھر کو
میرا داناں جنگ کے ہوئے سو جس سے چاک

(۳)

تھا یہاں کوئی رشی ڈوبا سے منہ موڑے ہوئے
اس کا بیٹا تھا جسے پالا تھا اس نے ناز سے
نیم بھل ہو کے ندی میں یہ لڑکا گر پڑا
ہائے زخموں سے کیا ہو مجھ کو کس نے چور چور
ہو مرا بیچارہ باپ اک راہب خلوت نشین
پانی بھرنے کے لئے آیا تھا میں اس گھاٹ پر
کیا خبر تھی مجھ کو موت آ کر کھڑی ہو تاک میں

اس فوہوٹ بتا کی بیڑیاں توڑے ہوئے
جو ہوا گھاتل مرے تیر غلط انداز سے
دو کی دور کرپ کی حالت میں یوں کہنے لگا
یہ سزا ہے جس کی ایسا کیا ہوا مجھ سے قصو
جس نے ایذا آج کے دن تاک کسی کو دی نہیں
بھر کے ٹھلیا جل سے اٹھا تھا کہ جلد ہی چلوں
آنکھوں آنکھوں میں ملا جائے گی مجھ کو خاک میں

کچھ نہیں ہو رنج اپنی زندگی کا مجھے
ضعف کا یہ غلبہ ہے اُن سے ہلا جاتا نہیں
ہائے اُن کی پھوٹی آنکھوں کی ستارہ میں ہی تھا
زندگی اُن کے لئے کیونکر نہ اب جنجال ہو
ایک مجھ کو ہی نہیں آکر لگا ہے تیر یہ
نکدہ ہے باپ اور ماں کی ناتوانی کا مجھے
اُن کو آنکھوں سے نظر افسوس کچھ آتا نہیں
اُن بچاروں کے بڑھاپے کا سہارا میں ہی تھا
میرے بعد اُن کا خدا ہی جانے کیسا حال ہو
بلکہ اُن دونوں کا پہلو بھی گیا ہے چیر یہ

(۴)

جب نہیں ہیں نے یہ باتیں جاں خراش دل فگا
میرے مذہب میں نہیں جائز کہ دُلوں کو دکھ
بات یہ ممکن تھی پھر کیونکر کہ مجھ سے بر ملا
بید لرزاں کی طرح ڈر سے لگائیں کا پینے
ہاتھ سے میرے گھرے تیر وکماں بے اختیار
ڈمکاتا لڑکھڑاتا میں گیا آخر وہاں
دیکھتا کیا ہوں کہ اک لڑکا نہایت ہی حسین
حُسن کا جس کے یہ عالم تھا کہ ماہِ آسمان
سسکیاں لیتا ہوا زخمی پڑا ہے خاک پر
اُس شانوں پر جو تھی بھوری جٹا بھری ہوئی
ہوش میرے اڑ گئے پیاسے جیسے قرار
ہو یہ راجہ کے لئے لازم کہ دے پر جا کو شکھ
ہو کسی کی اور وہ بھی اک رشی کی ہتھیا
میں سمجھتا تھا مجھے گویا ڈسا ہے سانپ نے
جس طرح پتوں سے ہو جالی خزاں میں شاخسار
کر رہا تھا نالہ و شیون مرا بمل جہاں
شانِ قدرت کی تماشا گاہ تھی جس کی جہیں
دیکھ لیتا گرا سے غیرت سے ہو جاتا نہاں
حسرت و اندوہ سے لرینا ہے اُس کی نظر
میں یہی سمجھا کہ یہ اکیس ہے نکھری ہوئی

جس میں پانی تھا بھرا اُس نے وہ مٹی کا گھڑا اک طرف ڈٹا ہوا تھا پاس ہی اُس کے پڑا

(۵)

میں نے دیکھا اُس کو اور اُس نے نظر بھر کر مجھے
 میں نے اے راجہ بتاؤ کی تھی کیا تیری خطا
 کس لئے ٹھایا ہو اُس بکس پہ یوں تُو نے ستم
 باپ کے بیٹے کے اور ماں کے جگر تقدیر سے
 میری ماں اور باپ کو اس وقت بیرا منتظر
 دیر پیا سے تھے وہ شدت کی ہو گی اُن کو پیا
 جلد جا بپتا سنا میری یہ میرے باپ کو
 کیونکہ اے راجہ ہر آپ اُس نے اگر تجھ کو دیا
 لیکن اول میرے سینے سے جدا یہ نیر کر
 تاکہ جان پر الم نکلے فدا آرام سے
 روح کا نپ اٹھی مری کتنے مٹایوں جب اُسے
 ہائے تُو نے کس لئے سینہ مرا پھلنی کیا
 اک رشی کے گھر میں ہو آکر لیا جس نے جنم
 چھد گئے اک ساتھ اے راجہ تیرے اک تیرے
 کر رہا ہو گا وہاں بے چین بے کل بے قرار
 بندہ رہی ونوں کو ہو گی میر گھرانے کی اُس
 اور بچا اُس کے غضب سے راجہ اپنے آپ کو
 یاد رکھ چل بھر میں تُو جل کر بھسم ہو جائیگا
 درد سے مجھ کو بچانے کی کوئی تدبیر کر
 اور نہ ہوں میں شرمسار اس مرگ بے ہنگام سے

(۶)

اس قدر کہتے ہی لڑکے کی نظر پتھرا گئی
 کھینچتے ہی نیر تن سے جان رخصت ہو گئی
 مجھ سے ناواں سنتے سرزد ہو چکا تھا جو گناہ
 اُس کے منہ پر مُردنی اور مجھ پہ شہر چھا گئی
 تُو روح اُس کی گود میں پرمانما کی سو گئی
 تھا خیال اُس کا وہ دنیا جس کی ملتی تھی نہ تھا

دل میں درد و کرب کا چٹمہ اُٹاتا تھا مری
 سہنگوں ہو کر کھڑا تھا میں سر نہ لاش کے
 سوچتا تھا میں مرا کفارہ عصیاں ہو کیا
 جھونپڑے کے پاس پہنچا تو مجھے آیا نظر
 دونوں کے دونوں ہیں نابینا و پیر و ناتواں
 بلغ میں گویا کہ ہیں دو طائر بے بال و پر
 رہ گئے تھے اب زن تنہا یہ دونوں تیر و سخت
 ہو کا عالم تھا یہاں کرتا تھا جگل بھائی ہیں
 اس جگہ ان بیکیوں کا رہ نما کوئی نہ تھا
 ایک لنگر تھا سو مجھ سے دو گیا تھا ٹوٹی بھی
 کر رہے تھے اپنے بیٹے کا وہ دونوں انتظار
 کوئی چٹکی سے کلجے کو مسلاتا تھا مری
 دل میں کہتا تھا مجھے یہ تیر لگتا کاشکے
 نذر ہے جس کی جگہ اُس درد کا دہاں ہو کیا
 باپاں لڑکے کے بیٹھے ہیں میں کے فرش پر
 نور آنکھوں میں نہیں لیکن ہے چہرہ پر چہاں
 چھوڑ رکھا ہے جنہیں صبا نے پرکھا کمر
 آسمان تھا دور اُن سے اور میں تھی اُن سخت
 سفینے بٹھتی تھی شیش کی مہو کی سا میں
 ناؤ تھی منجھڑا میں اور نا خدا کوئی نہ تھا
 ساتھ بیٹے کا بچاؤں سے گیا تھا چھوٹا بھی
 آ رہا تھا با دوہ اس وقت اُن کو بار بار

(۷)

دے دیا دھوکا انہیں میرے قدم کی چاچنے
 جان بابا! تو نے دیر اتنی لگائی کس لئے
 کھیل میں تو نے گنوا یا وقت گھر کے کام کا
 جلد جلد اٹھتے نہیں کس واسطے تیرے قدم
 کی ملامت اس طرح سخت جگہ کو باپ نے
 پیاس جلد آ کر نہیں میری چھائی کس لئے
 کچھ خیال آیا نہ ماں اور باپ کے آرام کا
 بھاگ کر اپنی چھائی سے لگالیں تجھ کو ہم

باپ ہاں کی آنکھ کے تارے تر مٹی کھیا رسیاں
 دی ہو ٹیٹھے باپ نے جھڑکی اگر بیٹا تجھے
 زیر سے چنستا میں گھڑیاں گنتی بیٹھی ہو پہلا
 مرنے خفا ہو بلکہ میری جاں بھلا دل سے آسے
 اُس سے نیکی کر ہمیشہ جو کرے تجھ سے بدی
 اس قدر کیوں ہو گیا دلگیر گھنٹہ ٹیٹل کی کھول

(۸)

اُس کی ان باتوں نے ٹٹلے زخم دل میں جان میں
 گر گیا تھا میں میں میں بندھتی میری رسیاں
 اور اُنڈیلا سیسہ کر کے گرم میرے کان میں
 وہ اُدھر رطب اللسان میں اُٹھتا تیش بجاں
 جی کڑا کر کے دیا آخر اُسے میں نے جواب
 راجہ ہوں کم بخت جھٹھ میں اس اُٹھے بوس کا
 ایک ندی پہنچا تقدیر سے میرا گزرا
 جالگا پھولے سے اُس کو تیر میرا ہائے ہائے
 تیری کرپا اور دیا کا اب فقط محتاج ہوں
 اُسے رشی اس سے زیادہ اور تجھ سے کیا کہوں

(۹)

مختصر تھی گرچہ میری داستانِ پُراں
 جبکے شہ میری زبانی سن چکا یہ ماجرا
 برق خرمین سوز کے گرنے سے لیکن بھتی نہ کم
 آگیا غش اُس کو اور دھم سے زمین پر گر پڑا
 نکتہ چیں درو جگر پر خود فراموشی رہی
 دیر تک القصہ طاری اُس پر بے ہوشی رہی

آہ آخر اک بھری اُس نے کہ جل اٹھا جگہ
اس طرح مجھ سے کیا اُس تیرے قہر سے خطا
خود بخود چل کر نہ میرے پاس تو آتا اگر
میرے نور چشم کا یہ خون ناحق بے گماں
مجھ کو تیرے جرم کی نسبت ہوا پورا یقیں
تو ہے پتلا غزشوں کا آخر اک انسان ہے
ورنہ اے راجہ کسی کارن نہ تو بچتا کبھی
لے چل اب ہم بد نصیبوں کو وہاں جلد تر
تاکہ ہم دل کا نکالیں آخری انسان بھی

(۱۰)

مار کر دھاڑیں غرض سر پیٹتے روتے ہوئے
میرے پیچھے پیچھے لاٹھی ٹیکتے پیچھے وہاں
لاش پر دونوں گسے یوں باپ نے نوحہ کیا
اپنے دل کو تھامتے اور جان کو کھوتے ہوئے

رشی کا نوحہ

کس لئے اٹھ کر نہیں کرتے ہمیں بیٹا سلام
چاند سے مکھڑے پہ ڈالا ہو نقاب خاک خوں
خاک میں عزت ملاتے ہو ہماری ہائے
شکل پچانی نہیں جاتی ہماری ہائے

اپنے روٹھے کو منانے چل کے خود آئی ہوں ماں کہہ ہی ہوں ماں جانیں تجھ پر اری ہائے ہائے
تیرے سینے میں جو ماراتاں کمر راجہ نے تیرے کیوں نہ ہم پر بھی چلا دی اک کٹاری ہائے ہائے
بھولنا چاہیں گے ہم لیکن نہ بھولیں گے تیری شکل بھولی بھولی باتیں پیاری پیاری ہائے ہائے
میں نے یہ کس دن کہا تھا خاک ہی میں جان کے مل ۵ اتنی بھی اچھی نہیں ہو خاکساری ہائے ہائے
تم سدھارے شرگ کو اور ہم کو چھوڑا رنگ میں چاہ کی وہ ریت کیوں تم نے بساری ہائے ہائے
تیری اندھی اور دکھیاں کی میں تیری طرح کر سکوں گا کس طرح خدمتگزار ہی ہائے ہائے
ایک بیٹا تھا لیا قسمت نے وہ بھی ہم سے چین ہو گئی ہو زندگی ہم پہ بھاری ہائے ہائے
جاچکا سامان اپنا دیر کا بیکینٹھ کو رک نہیں سکتی ہو اب نصرت تیری ہائے ہائے

(۱۱)

بہن یہ کر کر کے مجھ پر ڈھاپے تھے جو قسم آخر اس نے اپنے بیٹے کا کیا کر یا کرم
بے خود اور بہت بن کر میں کھڑا تھا پاس ہی یک بیک مجھ پر پلٹ کر یوں لگا کہنے رشی
ایک ہی تھا یہ میرا تخت جگر نورِ نظر تو نے اس کی جان لی تجھ پر ہوں اس کا ہار
مجھ پہ بھی اک وار کر دونا ترا احسان ہو بندش غم سے کہیں آزاد مری جان ہو

یا درکھ لیکن مرا کہنا، بہ ایں جاہ و حشم
تیری قیمت میں بھی ہو لکھا ہوا بیٹے کا غم

(۱۳) تاجدارِ دکن

سے مسٹر سروجنی نائیڈو کی عقیدت

میرے زمانہ قیام حیدرآباد دکن میں جب موجودہ تاجدارِ دکن کے والد خلد آشیاں میر محبوب علی خاں سرریا رائے سلطنت تھے عہدِ سعید کی تقریب پر مسٹر سروجنی نائیڈو نے ایک نظم جسے بارگاہِ سلطانی میں پیش کرنا مقصود تھا بزبانِ انگریزی لکھی تھی اور مجھ سے اس نظم کے اردو ترجمہ کی فرمائش کی تھی۔ یہ ترجمہ اریابِ ذوق کی نذر ہے۔

— (۱) —

اے خسرو ذی شوکت و ذی حشمت و ذی فر
دربائے سخن سے ہے مکمل ترا افسر
رہتے ہیں بہم مختلف اقوام و مذاہب
باعافیت و امن ترے عہد میں مل کر
لائی ہوں ترے واسطے اخلاص سے شایا
نیں تنہیت عید کا گلہ ستہ بنا کر

یہ ہدیہ ناچیز پسند آئے جو شہ کو

پایہ ہو شریبا سے مری نظم کا برتر

(۲)

سب اپنی رعایا پہ نظر ہو تری یکساں ہے ایک تجھے ہو وہ برہمن کہ مسلمان
 تو امنت احمد کا ہے سرناج، تو آقا اُن کا ہو جو رکھتے ہیں جبینِ عشق سے تابا
 سورج کے پجاری ہیں تری آنکھ کا تارا جو چھوڑ کے آئے تھے یہاں ساحلِ ایراں
 تو اُن کا خداوند ہو جو اُس کے ہیں بندے
 جو بحر کی موجوں پہ ہزارات کو پویاں

(۳)

جب دیکھتے ہیں ہم ترے دربار کی شوکت یاد آتی ہے بغداد کی گزری ہوئی عظمت
 اک جشن میں تیرے نظر آئے وہ چراغاں ہو جن سے الف لیلہ کے افسانوں کی زینت
 دینی ہے دُعا ساقی مستانہ ادا کو ہر صبح و مساپیتی ہو جبِ ثوق سے خلقت
 وہ جام چھلکتا ہوا تیری غزلوں کا
 آتی ہے نظر جس میں تصوف کی حقیقت

(۴)

پُر رونق و آباد ترے شہر ہیں صدا جنگل میں ہے منگل کا دل آویز تماشا
 جو ملک ترے زیرِ نگین آج ہے اُس میں آثارِ پیداست صنادیدِ عجم را
 معمورِ خزانے ہیں ترے اور ترے خرمین اور اُن کے محافظ ترے خدام ہیں شاہا

شامل ترے شاہا کرم و فضل خدا ہو تو حامی حق ماحی آئین جفا ہو
 عفت کی شجاعت کی فضیلت کی کھلے تو ناص کرکیش شہ لولاک لما ہو
 فروسی طوسی کھاجن اوصاف کا وصف درجہ ترے اوصاف کا ان سے بھی بڑا ہو

اشعار ترے درج ہوں ضرب المثلوں میں
 اور اسم مبارک ترا اک مرکز کن وعا ہو

(۱۴)

ایک بیسٹر کی آپ بیتی

لٹائی خوب ہی بادا کی دولت ہم نے لندن میں ○ گیا تھا چھوٹا تھا پاغباں گلچیں کو گلشن میں
 خریدار متاع جلوہ تھا یاں حسن بے پردہ ○ بھرتے پھول رنگا رنگ ہیا کی کے دہن میں
 نہ تھی نہاں نقابوں میں یہاں عارض کی نگہنی ○ نہ تھے ناز واد مخفی یہاں پیرہ کی چلمن میں
 نظر آیا یہاں پر دیں کا ایسا جگمگٹا ہم کو ○ لگا دی آگ جس نے صبر و روا نش کے خرقہ میں
 کبھی گرجا میں جا کر ہم نے کھڑا ماہ روپوں کو ○ کبھی تاک آئے ہم جا کر کسی گلہ کو گلشن میں
 کبھی گلیوں میں دھڑات کو یہ مرغ دل اپنا ○ نظر آیا کسی گیسوے زیریں کے نشیمن میں
 کبھی پہنچے تھیں میں تو چھوٹے دل ان سے ○ ہو جا دیجن کی باتوں میں ہو شوخی جن کی چٹوں میں
 بوقتِ قص یوں ہم بال میں لپٹے کسی مسے ○ کہ مقناطیس گویا ہو گیا پیوست آہن میں
 کبھی کینکے جلسہ میں مٹوئے شامل تو دن بھر ○ حامل ہاتھ تھے شمیمین کی تپل کی گرون میں
 کبھی سمجھے ہم اپنی لینڈ لیڈی ہی کی بیٹی پر ○ کبھی شانِ خدا کبھی کسی ہوٹل کی ساقن میں
 مٹن چا اپے کٹلٹ کھا کے ہم ہنستے تھے خوب بچن ○ مگن رہتے ہیں روٹی میں اڑے لکھی کے سالن میں

پہن کر کوٹ اور پٹیلوں ہوتی تھی ہمیں حیرت ○ بسر ہوتی ہو کیونکر پانچ جامہ اور اچکن ہیں

بہتے اینڈرٹ ویسٹ اینڈ میں جب جا بھکتے تھے ○ تو خم آنے نہ دیتا تھا کلف لہر کا گردن میں

ہماری ٹائی پن کے آگے سورج کی کرن پوں تھی ○ پڑا میلا سا اک تاگا ہو گیا چپٹم سوزن میں

خط آتا تھا جو باہر اک کہ کچھ پڑھتے بھی ہو بیٹا ○ تو لکھ دیتے تھے ہم محنت سے خون بھی خشاک ہیں

نہیں شک اس میں گرسیکھے ہزاروں ہم فیشن کے ○ نہ سیکھا ایک نکتہ بھی مگر قانون کے فن میں

کتابیں بن گئیں گلہ رستہ طاق فراموشی ○ ہوئے رہ رہ کے برسوں فیل ہم انزائیش میں

ولایت میں غرض ایسے اڑائے ہم نے گلچھرے ○ کہ فی جمشید نے حشر سے کروٹ اپنے مدن میں

مگر کب تک گلچھرے جو ہوتا گنج قاروں بھی ○ تو ایندھن کے لئے کافی نہ ہونا ایسے گلخن میں!

جب اٹھے صبح کو اک دن تو تھی بے مایہ ہمیانی ○ ہوئی خالی بھری تھی جس قدر اسٹیم انجن میں

شرابِ مطرب ساتی چھٹے بکجوت ہم سب ○ سکھائی بے زرنجی فاقہ مستی ہم کو لندن میں

ہوئے جب ہم نشیں پر حال ان سے کہا ہم نے ○

یہاں ہی نہیں کھتا جو الجھے خار و امن میں

(۱۵)

لسان الغیب

کے چند اشعار کی تفسیریں

منہ میں فقط زبان ہے اور ہاتھ میں قلم وہ غم کی ترجمان ہے یہ کاشف الم
دُہرائے جاؤں گا یہ حدیث غم و الم من ترک عشق بازی و ساغر نہی کنم
صد بار توبہ کروم و دیگر نہی کنم

آب بقا جناب کا میرے لئے ہو تم ہے نوشدارو آپ سمجھتے ہیں جس کو ہم
کیسے جناب قبلہ مرے حال پر کرم من ترک عشق بازی و ساغر نہی کنم
صد بار توبہ کروم و دیگر نہی کنم

کچھ بھی نہیں ہے لایہ گری کا مجھے شعور بننا نہیں کبھی مجھے آیا ساگِ حضور
ہوں قوم سے قریب جو مکر سے ہوں باغ بہشت و سایہ طوبی و قصر حور
با خاک کوئے دوست برابر نہی کنم

چلائیں کتنی بار کہ ہم ہیں خدا پرست جامِ مے الست کے ہم سب کے مست
اسلامیوں کے عہد وفا کو نہیں شکست تلقین و درس اہل نظر یک اشارت است
گفتہ کنایت و مکر نہی کنم

(۱۶)

شاعرانہ گفت و شنید

۲۶۔ جنوری ۱۹۱۲ء کے زمیں نندار میں حضرت شفق عباد پوری کی نظم ذیل

شائع ہوئی :-

کیا آپ نکتہ سنج نہیں نکتہ داں نہیں	اک دن یہ مجھ سے کہئے لگے ایک مہرباں
کیا آپ ذوقِ نظم سے رطب اللساں نہیں	کیا آشنا مذاقِ سخن سے نہیں ہیں آپ
وہ گھونٹ بھی نصیب ہے ارغواں نہیں	صہبائے تیر و بادہ گلہ نگارِ درد سے
کیا اب وہ سلسلہ نہیں یا خاندان نہیں	چلتا نہیں ہے بزم میں کیا دورِ مصحفی
کیا نام کو بھی شعر کا باقی نشان نہیں	اگلے سخنوروں کا نہیں مثل تو نہ ہو
مانا کہ دلِ غریبِ ہندوستان نہیں	کوئی تو ہو گا طوطی خوش لہجہ چین
ایسے خدا کے بندوں کے خالی جہاں نہیں	زندہ کریں امیرِ خدا سے سخن کا نام

کی میں نے التماس مقامِ نیاز سے
 کہتے ہیں شعر کس کو سخن کس کا نام ہے
 جو ہر شناس جس کو جو اہر سے تول لیں
 ہیں وہ خم و قدح نہ وہ پیمانہ و سبب
 اس پر یہ لطف ہو کہ سخنور ہیں سینکڑوں
 پورب کے باکمالوں کی مٹی خراب ہے
 بچھم کے کچھ ہیں اہل زبیاں مستند مگر
 جو نکتہ داں ہیں واقف فن ماہر زبیاں
 بندہ نواز ناز کا موقع یہاں نہیں
 یہ اتنی زبھی مجھے اے ہر باں نہیں
 اب گو ہر سخن کا وہ پہلہ گراں نہیں
 وہ پیرے فروش کی اُپچی دکان نہیں
 ایسا بھی کوئی شہر ہے شاعر جہاں نہیں
 دامن پہ ہو یہ داغ کہ اہل زبیاں نہیں
 سب قادر الکلام نہیں غرض بیان نہیں
 کچھ اُن کے اتباع سخن میں نیاں نہیں

کلج کی ڈگریوں کی شفق کو ہو کیا اُمید

جب اُس کی جیب میں سدا امتحان نہیں

حضرت شفق کے اس ارشاد پر میری طرف سے اشعار ذیل میں تبصرہ ہوا :-

جو کچھ کہا جناب شفق نے، خدا گواہ
 ہم کو سلیقہ گرچہ نہیں انتقاد کا
 لیکن اگر کسی کو ہو یہ ادعا کہ آج
 ہم کو نہیں ہو اُس کے عقیدے سے اتفاق
 اقبال ہی کو لیجئے گرچا ہے مثال
 اُس میں ہیں مجالِ جنین و چناں نہیں
 ہم گرچہ نکتہ رس نہیں و زنگتہ داں نہیں
 ہندوستان میں ایک بھی شیوہ بیان نہیں
 ہم اُس کی ایسی ہاں میں مل سکتے ہاں نہیں
 جو نکتہ چیں کے زعم میں اہل زبیاں نہیں

وہ کون سی زمین ہے دُنیائے فکریں اُس نے بنا دیا جسے آج آسماں نہیں
 ملت کے دل کے واسطے سرمایہ گدازہ کیا اُس کی دردناک نوا ریزیاں نہیں
 کیا اُس کی داستان کی جدت طرازیہ صرف بقائے سلسلہ پاشاں نہیں
 اُس کے کلام میں نہیں کیا سو زیمبر و درو یا غالب و امیر کی رنگینیاں نہیں

دہلی و لکھنؤ پہ نہیں حصر شاعری
 وہ خطہ کونسا ہے یہ دولت جہاں نہیں

(۱۷)

خواجہ حالی

کی ایک غزل کے چند اشعار کی تفسیریں

رنگ میں یہ ڈالتے رہتے ہیں بھنگ ہیں قیامت کے حریفانِ فرنگ
چڑھ نہیں سکتا ہتے تلواروں پہ رنگ صلح ہے اک مُہلتِ سامانِ جنگ

کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ

توپ کیا بست دوق کیا تلوار کیا کوٹ کیا پتلون کیا اخبار کیا
پوپ کیا اور شاہ کیا اور زار کیا علم کیا اخلاق کیا ہتھیار کیا

سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ

جسم میں ہر روز اتراتی ہے رُوح قوم کا غم رات دن کھاتی ہے رُوح
کون کتنا ہے گھٹی جاتی ہے رُوح کا ہشوں سے پرورش پاتی ہے رُوح

اب لگا کھا یا پیاسے آ کے انگ

ختم وہ اگلا فسانہ ہو چکا کھکھ ہوئے خالی خزانہ ہو چکا
 بے ٹھکانوں کا ٹھکانہ ہو چکا کام کا شاید زمانہ ہو چکا
 دل میں اب اُٹھتی نہیں کوئی اُمتنگ

ڈالتا ہے دل میں وسواس اتفاق خوب ہے پھٹکے نہ گری پاس اتفاق
 کر ہی دے گا سٹیاناں اتفاق قوم کو حالی نہیں راس اتفاق!
 پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہم پہ رنگ

(۱۸)

لندن میں معشوقہ اور دیوانی عاشق

اک سنہرے بالوں والی میم نے ہنس کر کہا
 میں نے یہ مانا کہ تم کھاتے چھری کا نٹے سے
 بنگلہ میں رہتے ہو اور چڑھتے ہو موٹر کار پر
 توڑتے ہو مانگ انگریزی کی اٹھتے بیٹھے
 کرتے ہو ہر موسم گرما میں لندن کا طوفان
 لیکن آخر تم وہی کالے مجھند رہی تو ہو
 اپنے اک ہندوستانی عاشق مفتون سے
 شوق رکھتے ہو قمیص و کالر و تپلون سے
 بیٹھتے ہو پاٹ پر دھوئے ہو منہ صابون سے
 بات جب کرتے ہو نم کرتے ہو ٹیلیفون سے
 پاؤں آجاتا ہے چکر میں تمہارا جوں سے
 رنگ پورپ اڑ گیا جس کی رگوں کے خون سے

یہ تمہاری جیب تھی جس پر مراد ل آ گیا
 ورنہ میں اور اختلاط ایسے سبب مختون ہے!

(۱۹)

ہندوستان کے اسلامی جذبات

۱۹۱۲ء میں

جوش میں پھر رحمت پروردگار آنے کو ہر
قدسیوں میں ہو رہی تھیں آج یہ سرگوشیاں
یار کے چہرے سے اٹھے گا کوئی دم نہیں ب
آمد آمدن کے انور کی کنتاوانے کہا
جمع ہونے کو صف اندر صف ہیں ستوسی جیو
اٹ گئے درنا و بنغازی میں روم کے دھوئیں
قیمت انکھاتے تھے کل تک جس کی مسلم چالاکہ
تانہ پھر ہوئے کو ہر دار و رسن کی داستاں

جس کے صدقہ میں نوید وصل یار آنے کو ہر
عنقریب اسلام کی فصل بہار آنے کو ہر
ہو گئیں جس کی نگاہیں دل کے پار آنے کو ہر
کانپتے ہیں جس سے ہم وہ شہسوار آنے کو ہر
لشکر بریر قطار اندر قطار آنے کو ہر
حضرت پاپا کو شدت کا بخار آنے کو ہر
بک رہی وہ جنس بازاروں میں چار آنے کو ہر
پھر اناجی کی صدامستانہ وار آنے کو ہر

بیکسوں کی آہ سے جو اٹھ رہی ہے پے پے گنبد گروہن گرداں پر غبار آنے کو ہے
 جتنے خوں بہنے لگی ہے رشت اور تہہ زمین سینٹ پٹربرگ سے طہران میں نہ آنے کو ہے
 جارج خامس جب چلے لندن ہم سب نے کہا امن اور انصاف کا آئینہ دار آنے کو ہے
 کیوں نہ چکے آفتاب دولت و اقبال مہند چل کر اُس میں جب ہمارا شہر آیا آنے کو ہے
 ابرنیساں بن کے بے گاشن منشاہ کا کرم تھا ہمیں مدت سے جس کا انتظار آنے کو ہے
 آئے بھی چل بھی دئے دہلی سے لندن کو حضور تجھ کو دولت اپنے مرکز پر قرار آنے کو ہے
 زار قیصر جوزف اور وکٹر سے کیوں ملتے ہیں خارجہ
 چار بدستوں میں کیوں اک ہوشیار آنے کو ہے

۳۵ شہنشاہ آسٹریا

۵۲ قیصر جرمنی

۱۵ زار روس

۵۵ شاہ انگلستان

۵۵ بادشاہ اٹلی

چند علمی اور عمرانی نکتے

- ۱۔ قوم کی بہتر رہنے کو ہے ٹوٹی ہوئی آس ایک دن
ہم میں ہونے کو ہیں پیدا خضر و البیاس ایک دن
- ۲۔ ہو چلا ہے ملک کو اپنی ترقی کا خیال
بام عزت پر چڑھا دے گا یہ احساس ایک دن
- ۳۔ تشنہ کا مارن وطن کرتے ہیں شور العطش
علم کے پانی سے مجھ جائے گی یہ پیاس ایک دن
- ۴۔ دولت حکمت سے مالا مال ہو جائے گا ملک
اپنے گھر کی راہ لے گا جمل و افلاس ایک دن
- ۵۔ لازمی تعلیم کا قانون مل سکتا نہیں
کنسل اس بل کو کرے گی بے گماں پاس ایک دن
- ۶۔ پیٹ میں خود پروری کا جن کے اٹھنا ہے مرد
اُن کو خود داری کا دے گا ہندو ملت اس ایک دن

- خود فروشی سے ہے کھل جانے کو خود داری کا فرق
- فرہی سے قطع ہو جائے گا آماں اس ایک دن
- ہر چہن داس ایک دن ہونے کو ہے عبد القوی
- اس ہرن کی پیٹھ پر لد جائے گی گھاس ایک دن
- تیرے نطلِ عاطفت میں دولتِ ہندوستان
- ایک ہو جانے کو ہیں لاہور و مدراس ایک دن
- دیکھنا شیر و شکر ہو جائیں گے اہل وطن
- رہ چکے ہیں دُور و دُور آنے کو ہیں پاس ایک دن
- حُبِ قومی کے کھلیں گے ہند کے گلشن میں پھول
- پھیل جائے گی جہاں میں ان کی بوباس ایک دن
- چل رہی ہے جو ہوائے اتحادِ باہمی
- ہندو و مسلم کو وہ آ جائے گی راس ایک دن
- یہ ہیں دامن اور وہ چولی، یہ ہیں ناخن اور وہ گوشت
- منظر الحق سے ملیں گے سرگرداس ایک دن
- اور اگر پھر بھی رہے دست و گریباں یہ بزرگ
- ملک کا ہو کر رہے گا ستیاناس ایک دن

(۲۱)

دعوت کا ایک رقعہ

اور

اُس کا جواب

شیخ امام الدین صاحب چیف کلرک دفتر کو سپرنٹنڈنٹ نارٹھ ویسٹرن ریلوے
لاہور نے اپنے صاحبزادہ کی عروسی کی تقریب پر مجھے ایک منظوم دعوتی رقعہ بھیجتے ہوئے
لکھا کہ :-

شادی قرار پائی ہو عبد اللطیف کی
ہو پانچویں مئی کو ضیافت ولیمہ کی
آکر غریب خانہ کی عزت بڑھائیے
کھانا غریب خانہ پہ اُس روز کھائیے
میں نے انہیں حسب ذیل جواب دیا :-

اے شیخ جی یہ جشن مبارک ہو آپ کو
اجاب کو بلائیے دعوت میں شوق سے
ہاں خوب دھوم دھام سے شادی منائیے
بسکٹ کھلائیے انہیں سو ڈا پلائیے
اللہ کا خیر میں بھی کچھ اٹھائیے
اللہ نے دیا ہے زر و مال آپ کو

در ماندہ قوم کار ہے اس وقت کچھ خیال بحرِ سخا کو جوش و تموج میں لایئے
 ارضِ طرابلس میں ہیں مسلم شکستہ حال اُن کی مدد کے واسطے توڑے دلائیئے
 پڑھ لیجئے گانوَٹ کراچی کے سیٹھ پر ایسی ہی آپ بھی تو سخاوت دکھائیئے
 آئے گا کامِ حشر کے دن سب لیا دیا دُنیا میں دیجئے تو قیامت میں پایئے
 اک کے عوض ملیں گے وہاں دس ضرور ہی
 آسان یہ طریق ہے دولت بڑھائیئے

(۲۲)

یورپ کا بین الاقوامی قانون

یورپ والو تم تو سمجھتے ہی نہیں ہو انسان ہمیں
 اور جو سمجھتے بھی ہو تو شاید جانتے ہو نادان ہمیں
 عدل تمہارا ہے زیر مغرب جو ہے ملمع مشرق کو
 کہہ نہ سکیں گو کچھ بھی زباں سے لیکن ہو گئے کان ہمیں
 طبل نمود بجا کر نازاں اپنے نام پر آپ ہوئے
 آپ کو لمن الملک مبارک اور علیہا فان ہمیں
 آپ ہیں گورے ہم ہیں کالے آپ کو شاید ہے یہ خیال
 چونکہ ہے کالی اس لئے پیاری ہو نہیں سکتی جان ہمیں

آپ کو ہم سے عار ہو لیکن ایک ہیں ہم اس فرق کے ساتھ
 آپ کو اپنی جان ہے پیاری اور ہے عزیز ایمان ہمیں
 ایک طرف یہ صدمہ مطلق تم نے مراقش چھین لیا
 ایک طرف یہ خوف معلق داغ نہ دے ایران ہمیں
 قدسیوں نے کل نور کی یہ گت چھٹری چنگ بصیرت پر
 وجد میں رہ رہ کر لے آئی جس کی رسیلی تان ہمیں
 ہم کو ہمارے حال پہ چھوڑے آئے ہم اس تہذیب کے باز
 کچھ نہیں پورے ہیں مطلب چاہئے انگلستان ہمیں



۱۵ یہ ۱۹۱۲ء کا قافیہ ہے۔ اب ۱۹۴۱ء ہے۔ اس لئے قافیہ بدل گیا۔
 اور پاکستان ہو گیا۔

حجّت منظر کا انتظار

کسی نے تو ہتھیالیا ہے مرا کو
 کوئی تاکتا ہے پڑا پر شیا کو
 جہاں میں حکومت ہو طاغوتیوں کی
 بھلا یا ہے بندوں نے اپنے خدا کو
 نہ اپنے نہ اسلام کے کام آئی
 یہ شکوہ ہے جان حزیں سے قضا کو
 گمے گی کوئی دم میں غیرت کی بجلی
 وہ ٹھکرا رہے ہیں مری التجا کو
 میجا سے جس کا لکھاتا ہوں نسخہ
 نہیں درو پر کوئی حق اُس دوا کو
 مرا چارہ گر ہے ہمیں عرب کا
 گداز اور رقت سے خالی ہوا دل
 وہ سرکار کافی ہے میری شفا کو
 عبت ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر
 اثر رو رہا ہے ہماری دعا کو
 عمل گریبی ہو تو ہم حشر کے دن
 ہمیں دیکھتے چاہئے انتہا کو
 وہ نور حقیقت رسول خدا نے
 دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفیٰ کو
 چمکتا ہوا سائے مشرق میں پھیلا
 منور کیا جس سے غارِ حرا کو
 چمکتا ہوا سائے مشرق میں پھیلا
 کیا روشن اُس نے تمام ایشیا کو
 پھر اُس نے کیا مغربی کشوروں میں
 جہاں نقش و الیل سے واضحی کو

غداالت کی شہائے غاسق کی ظلمت
نہیں میٹ سکتی ہے اس انجلا کو

————— (۲) —————

ہو مسلم کے سینہ میں یہ نور پنہاں شہرِ ساکھ میں جس طرح چھپے باہو
اگر اکھ ہٹ جائے پھر یہ پشوارہ زمانہ کی منقل کو آتش سما ہو
مگر شرط منقل فروزی یہی ہے کوئی حجت منتظر رو کشا ہو
کیا ہم سے جو وعدہ قراں میں تو نے بہت جلد سے وعدہ یارب وفا ہو
کر انصاف تو ہی کہ کیا یہ روا ہے ذیل اس طرح اُمتِ مصطفیٰ ہو
معلق ہو کوہِ غمِ اسلامیوں پر مصیبت میں چھوٹا بڑا مبتلا ہو
بس چائے پھر تیری رحمت کا بادل پھر اسلام کا باغ یارب ہرا ہو
ہو اس وقت کا منتظر گوشِ ملت
کہ نقارہ اسلام کا بج رہا ہو

لاہور۔ ۲۴ اگست ۱۹۱۲ء

(۲۴)

سمندر کی دانی اور تخیل کی جولانی

دسمبر ۱۹۱۲ء کے اواخر میں سیاسی ضرورتوں سے مجبور ہو کر مجھے سیاحت یورپ کا اتفاق ہوا۔ اس سے پہلے میں نے سمندر کا سفر کبھی نہ کیا تھا۔ بحر ہند۔ بحیرہ قلم اور بحیرہ روم سے ہوتا ہوا میں مارسیل پہنچا جو جنوبی فرانس کا بندرگاہ ہے۔ اور وہاں سے براہ پیرس رو دیا۔ انگلستان کو عبور کر کے لندن پہنچا۔ ان سمندری کی رنگارنگ موجوں نے میرے قلب پر جو اثر ڈالا اور درمیان میں مناظر نے دل اور دماغ میں جو گونا گون کیفیات پیدا کیں۔ ان سب نے مل کر ایک نظم کی شکل اختیار کر لی۔ جسے میں نے پیرس کے دو روزہ قیام میں سپرد قلم کیا۔ وہ نظم یہ ہے :-

اے محیط بیکراں اے بھرنا پید اکنار	تیری یکتائی ہے نقش وحدت پروردگار
تیرے عارض پر جمال اس کا فروغ افشاں کبھی	اور جلال اس کا کبھی تیری حبیں پر جلوہ با
ہیں تری پہنائیاں سنجاب و امان خیال	اور تری جولائیاں آغوش فطرت کا فشاں
تیرا اک اک چین ابرو آفت جان حزیں	تیرا اک اک خندہ لب لطف عمر مستعا
تو کہیں ابھض کہیں اسود کہیں احمر ہوا	جلوہ تیرنگ قدرت ہے ترا نقش و رنگا

حُسن تیرا لانا زوال اور عمر تیری جاوداں
 آخری ہچکی علیہا خان کی تُو ہو تو ہو
 نیلی نیلی تیری موجیں ہیں پریا باندھے ہوئے
 جب بہا راتی ہو کرتا تو بھی ہی میری طرح
 ہیں غنا دل سے بھی شیریں تر تھے نالے کبھی
 پھیل جاتا ہو کبھی تُو اور سمٹ جاتا بھی ہے
 نمکنت میں کر دیا سیلی کو تُو نے آبِ آب
 تُو سکوں میں ہو نشانِ رانیت لطفِ خدا
 میں نے ساغر گیر تیرا چاند کو پیا یا کبھی
 میں نے زوالِ قرین کی مانند دیکھا ہو تجھے
 عارضِ وقامت کھتی عہدِ وفا توڑے ہوئے
 تارِ پودِ شوق تھا اوپر تلے بکھرا ہوا
 میری عشرِ نگاہِ بنیش میں ہوا ہو عشوہِ سنخ
 تُو مجھے دُنیا لہ کشتی سے آیا ہے نظر
 میں نے دیکھا ہو ترا ہیبتِ فرا جوشِ خروش
 مجھ چکی تھی آسماں پر مشعلِ ماہِ منیر
 ہو نہیں سکتی خنداں سے منتقل تیری بہا
 لے ہم آغوشِ ازل اور لے ابد سے ہکنا
 یا مگر قدرت کی فوجیں ہیں قطاراں دقطن
 جامہ اپنا چاک چاک اور دامن اپنا تارتا
 اور گر جتا ہے کبھی تُو بے محابا رعد و آہ
 ہو بلندی میں ابھی کوہ اور ابھی بستی میں غما
 اور جنوں میں قیس کا تُو نے گھٹایا اعتبار
 تُو ہے طوفاں میں دلیلِ قہر و خشمِ کردگار
 اور کبھی خورشید کو دیکھا تیرا آئینہ دا
 جب تھے گریبا بہ میں اُترا ہے ہر تابدا
 اُس کی نارنجی نقاب اُس کی قبائے زرنگا
 اُس کی کرنیں مضطرب تیری لہریں قرار
 دستِ شوخ ماہتابِ رتیرے سینے کا اُجھا
 چشمِ روشن میں لگاتے سرمہ دُنیا لہ دا
 ہو چکی تھی ظلمتِ شب جب محیطِ روزگار
 منقل گروں میں چپکان ن تھے انجم کے شرار

میں نے دیکھا ہے تجھے خاکِ عرب کو چھپتے لے فدا تیرے اس آئیں پر مری جانیں نہرا
 سجدہ کرتا رہ اسے جب تک ہو تجھ میں جہز رہا لے ترا نو بزمگہ اس خاکِ اطر کا غبا
 عرش پر گرفتار بھاری تہو اس خاک سے جس میں مچو خواب ہو کون و مکان کا تاجدا
 وہ کہ جس کا نام ہے نقد و گیتی کی کلید وہ کہ جس کی سینر وہ صد سالہ حکمت پر ہونے
 وہ کہ جس کی کفش برداری نے بخشا یہ عروج مشرق و مغرب کے اشراقی و شانی نشا
 وہ کہ جس کا خیال اک برق چھپتے ہی جسے جو گدا تھے ہو گئے آدھے جہاں کے شہریا
 وہ کہ جس کی رحمت اللعالمین کی طفیل ہستی مسلم لرزے لگ گئی بے اختیا
 جوش میں آنے لگی ہے رحمت پروردگار

مسلم بچا رہ کے حق میں اسی کے فیض سے

صرف رجعت ہو رہی ہو گر و دش لیل و نہا

میں نے دیکھا ہو مسینا کی گزر گہ سے تجھے بہ رہا ہو جس میں تیرا لاجوروی رو دیا

لے اس آبنائے مسینا ہی میں سے گزرتے وقت اقبال نے یہ شعر کہا تھا
 ہرے رہو وطن مازنی کے میدان جہاز پر سے نہیں ہم سلام کرتے ہیں
 لیکن یہ زمانہ اور تھا۔ اس وقت ہمارے شاعر کو حضور سرور کون و مکان کے دربار میں اس آئینہ
 کی نذر گزرائے کا حسرت اندوز مشرف حاصل نہ ہوا تھا جس کی نسبت وہ کہتا ہے
 جھلکتی ہو تری امت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہذا اس میں
 آج اگر اس مقام سے اس کا گزر رہتا تو وہ مازنی کی اولاد و احفاد کے کارناموں کی یاد سے
 متاثر ہو کر شاید یوں کہتا ہے چلے رہو وطن مازنی کے میدان کہ جو رہی سے نہیں ہم سلام کرتے ہیں

ساحل اٹلی کا ادھر سسلی کے مینارے ادھر وہ فضا سے ہم کلام اور یہ صبا سے ہم کنار
 ہیں مسلمانوں کے خوں میں پرورش پائے ہوئے اُس کی دلکش گھاٹیاں اس کے دل آرام غرا
 آہ وہ سسلی بسایا تھا جسے ہم نے کبھی اندلس کی طرح مغرب میں ہماری یاد گار
 پرچم توجہ راٹھا تھا جس کے ساحل پر کبھی اور اذانوں کے کبھی گونجے تھے جس کے کوہ سار
 وہ سفینہ تیرے سینے پر نظر آیا مجھے کھائے بیٹھا ہے جو دنیا کی تباہی پر اُدھا
 سندبادِ خوشنہ کو لپٹا ہے پیرِ تسمہ پا تیرے کندھے پر نہیں ہے مغربی بٹیر اسوا

جس کی توپوں سے ہوتے ہیں مشرقی ساحل تیرے

مرگ رینو مرگ رینو مرگ رینو مرگ زار

کیا نہ لہرائے گا پھر تجھ پر علم اسلام کا اور نہ وہ وقت آئے گا ہم کو یہ جس کا انتظار
 کیا نہ ہو گا ہم میں خیر الدین پھر پیدا کوئی جس سے ہوگی سطوتِ کبریٰ کی عظمت آشکار
 کیا نہ دیکھیں گی آنکھیں تباہ ہنسائے افق تیری پہنائی میں اُن جنگی جہازوں کی قطار
 جن کے مستولوں کے اوپر اڑ رہا ہو ہلال باہر اراں عز و تمکین و غرور و افتخار
 جن میں تیری ذاتِ واحد کی عبادتِ صبح و شام ہم سنیں گے جن سے پانچوں وقت اذانوں کی پکار

جن کی توپوں کی گرج لے کر ہے گی ایک دن

و دشمنانِ ملتِ بیضا سے باجِ انتصار

دشمن ہو ہیں لائی ہے مجھ کو میری یونگی ماسوا سے تو بھی ہو زادی جنوں لے کر فرار

چاکے اُس سے مل جو ہو مستحق عدل و سلام سیکھ اُس سے حق رسی اور حق نوازی کا شعاع
 بیکیوں اور ناتوانوں سے نہ یوں آنکھیں چڑھا ساتھ دے اُن کا زمانہ ہی جنہیں ناسازگار
 کھا چکی ہو تیری موجوں کے پھیرے مدتوں کشتی لشکرِ مسلم کو اب تو پار اتار
 کرتباہ اُن کو جو ہیں فرعون بے سامانِ قوت حجتِ اعرقنا کی پھنڑا ہر ہو اُن پر ایک بار
 خونِ مسلم جن کے مذہب نے کیا اُن پر ہر جن کی منطق تو پیے یا دار یا خنجر کی دھار
 جھونک کر دنیا کی آنکھوں میں مسیحیت کی خاک ہر طرف جو کر رہے ہیں دن و ہاٹے لوٹ مار

ایسے صیادِ فلک کو ہم کرتے ہیں تیرے ہی سپر
 آڑ میں تہذیب کی ٹٹی کے جو کھیلے شکار

پیرس - ۷ - جنوری ۱۹۱۳ء

(۲۵)

زنگِ ظلام اور زنگِ اسلام

صوبہ پنجاب کے ایک سربراہ اور وہ خاندان کے ایک سر بلند رکن نے جو مسلمان و جاچوت ہیں اپنی جاہل اور اوہام پرست برادری کی اصلاح کے لئے ایک انجمن قائم کی ہے جس کا نام مجلس اصلاح تمدن ہے۔ اس انجمن نے اس وقت تک اپنی مسلسل سعی سے بہت کچھ اصلاحیں کی ہیں خصوصاً شادی و غم کی تقریروں پر جو مسرفانہ رسمیں خاندانوں کے خاندانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوا کرتی تھیں ان کا بایا تو مطلقاً قلع و قمع کر ڈالا ہے۔ یا ان میں ایک بڑی حد تک ترمیم کر دی ہے۔ اس مبارک تحریک کا خیر مقدم برادری کے روشن خیال مردوں اور بیبیوں کی طرف سے بے حد تپاک و جوش ہوتا ہے لیکن پُرانی وضع کے چند خرافات بڑھے اور ان کے مقلد چنار قامت پرست چھو کرے اور چھو کر یاں جو اصلاح کے نام سے ہاتھ کانوں پر دھرتی ہیں۔ کوئی موقع اس چلتی گاڑی میں روٹا اٹکانے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔

ایک گھریس شادی ہے۔ گھر والوں کے سر پر دقیا نو سیدت سوار ہے اور قد قامت نوازی کی لئے یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ بانسری جو سری کرشن نے برج میں کئی ہزار سال ہوئے سجائی تھی اس بیویں صدی میں بھی کہ ہارمونیم اور پیانو کے تقریبی ریسلے پن نے گوش عبرت نبیوش کے لئے نئی جنتوں کے روح پرور سامان پیدا کر دیے ہیں حقہ کی منال کی طرح منہ سے لگی ہوئی ہے۔ پُرانی رسمیں جن کے تصور سے بھی مذاق لطیف کو گھمن

آتی ہے اپنے زوروں پر ہیں۔ ایک بزرگوار جو اصلاح تمدن کے بڑے ہی جو پیشے مخالف ہیں اور جن کا نام نامی اور اسم گرامی راجہ محمد اسلم خاں ہے ازراہ تعریض اس کی مصلحانہ کوششوں کا خاکہ اڑانے میں مصروف ہیں۔ پیراٹی سارنگی بجا رہا ہے طلبہ پر تھاپ پڑ رہی ہے اور یہ راجہ صاحب مجلس اصلاح تمدن کی ہجو یلچ جو آپ ہی کی شکم زاد ہے، کھرج کی لے میں پڑوں گا رہے ہیں :-

راجاؤں میں چرچا ہے مری کج کلی کا سب قوم پہ ہوتا ہے اثر پیری کی کا
تخفیف کی ہوتی ہو ضرورت مجھے محسوس جب جائزہ لیتا ہوں پیشاوی کی ہی کا
گنجائش اکئی کی نکل آئے سجٹ میں گھٹ جائے اگر نرخ عروسی کے وہی کا
بخارنے دھول آکے چوٹی کی جہانی چوکی بھی تھی کیا تخت کوئی بادشہی کا

دستورِ عمل سے نہیں مقصود ہے تڑپیں

پہل بھی ہمیں کچھ تو ملے اس سترسی کا

دل افروز بیگم اس معزز خاندان کی ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون ہیں جن کی کوششوں نے اصلاح تمدن کی تحریک کو سرسبز کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ ان کا سخنورانہ مذاق بھی صلبھا ہوا ہے۔ شعر کہتی ہیں اور خوب کہتی ہیں اور ان کے لطائف و ظرائف نے اس روشن عہد کی شاندار روایتوں کو پھر زندہ کر دیا ہے جبکہ دنیا سے اسلام کا وہ نصف حصہ جس پر جنس لطیف کا بلا شرکت احد سے وساہمت غیرے کامل قبضہ تھا۔ ادبیات کا مطلع الانوار بنا ہوا تھا۔ اپنے منہ سے آپ کج کلاہ اور جم بارگاہ بننے والے راجہ صاحب نے مجلس اصلاح تمدن کے دستور العمل کا خاکہ اڑانے کو تو اڑا لیا لیکن بے چارے کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے ترانے زنا نخل نے میں بھی پہنچ رہے ہیں اور دل افروز بیگم بھی کان لگا کر ان

کی ہجو پلح سن رہی ہیں۔ راجہ محمد اسلم خاں بھی اپنے سرگم کے نشہ ہی میں جھنڈیم رہے ہیں۔
 کہ ایک میراثن آتی ہے اور ڈھولک لے کر بیٹھ جاتی ہے اور ذیل کی نظم گانے لگتی ہے۔
 جو دل افروز بیگم کی حاضر جوابی کا اعجازی کرشمہ ہے۔ میراثن چونکہ بیگم سے کینزائے تسلوق
 ہے اس لئے لکھی پڑھی بھی ہے جس کا غز کے پرچہ پر بیگم نے نظم لکھ کر دی ہے۔ اُسے
 سامنے رکھ لیا ہے اور ڈھولک بجا بجا کر اس طرح نغمہ سرا ہوتی ہے :-

بگڑتے ہیں جگانے سے یہ فطرت رانگھڑوں کی ہے
 تعجب اس میں کیا عادت یہی سوتے ہوؤں کی ہے
 گرا اصلاح تہذیب کا بتایا جائے گھر اُن کو
 اُنہوں نے اس میں پچر طعن کی رہ رہ کے ٹھونکی ہے
 نہایت عورتوں میں، یہ کہاں کی آدمیت ہے
 یہ سنت شاید اگنی ہوتری کے بالکوں کی ہے
 وہی سب پیپیوں نے مل دھوپا آپ کے سر پر
 چٹانے کے لئے باقی کسر اب بلیوں کی ہے
 انڈیا مشک بھر پانی بدن پر آ کے سقے نے
 بھلا کہئے تو دقیا نوس کی یہ مشق کیوں کی ہے
 جو ہے صابون سے نفرت گل خوشبو ہی مل لیجے
 چچا سعدی نے جو سوغات بھی گلہروں کی ہے

کوئی پوچھے کہ جب حمام بھی موجود ہے گھر میں
 بنائی وضع یوں پھر آپ نے کیوں مسخروں کی ہے
 کہ ہے چوکی اک آنکھ میں اور اُس پر آپ بیٹھے ہیں
 اور اُس کے گرد فوج اک نائٹوں اور گائٹوں کی ہے
 یہ رنگارنگ تانگا کیوں لپیٹا ہے کلائی میں
 یہ تقلیدِ مرتع کیا ہماری چوڑیوں کی ہے
 نگار آرائیاں سیکھی ہیں کس سے آپ نے ایسی
 یہی تعلیم کیا اسلام اور اسلاموں کی ہے

ڈومنی یہ نظم جس کو شن کراہل دل و جہ میں آجاتے ہیں گاتی ہے اور راجہ محمد اسلم خاں
 بھی کسی قدر عیجتے ہیں لیکن از بس کہ آپ خیر سے اُس حیوان غیر ناطق کے نام کی رعایت سے
 جس کی صدا اور ہٹ مشہور ہے، فوراً بخلول واقع ہوئے ہیں لہذا نظم کی سچی حقیقتیں گو وہ اُس
 کڑوی گولی کے مشابہ ہوں جس پر شکریں غلاف چڑھا ہوتا ہے، آپ کے حق میں بکائن اور
 اندرائیں بن جاتی ہیں۔ آپ جھٹ سخافت طبع سے یہ شعر موزون کرتے ہیں اور میراثی کو
 حکم دیتے ہیں کہ طبلہ کو طبل بنا کر نہایت بلند آہنگی سے ادا کرے :-

اس استدلال سے اپنی تشفی ہو نہیں سکتی
 یہ باتیں عورتوں کی ہیں یہ منطق دل جلوں کی ہے ○
 یہ رسمیں وہ ہیں جن سے شادیوں کا ہے بصر م قائم

چلیں گے ہم اسی پر یہ ڈگر اپنے بڑوں کی ہے ○
 دل افروز بیگم اس کا ترکی یہ ترکی جواب اپنی ماما کے ہاتھ ان دو سامعہ نوازا شعار
 میں بھیجتی ہیں :-

مری باتوں کو سن سن کر باندازِ فدا طوفانی
 جواب ارشاد ہوتا ہے کہ یہ سنت بڑوں کی ہے
 چہ خوش! اب آپ پوچھیں گے بتوں کو بھی یہی کہہ کر
 کہ یہ رسم مقدس بھی انہی پیشینیوں کی ہے

لاہور یکم دسمبر ۱۹۱۶ء

(۲۶)

اخبار نویس کی مشکلات کا دورِ اول

نمونہ باز

پھٹکری سے مجھ کو مطلب ہے نہ ہرے سے غرض
 رنگ بے داموں ہی اس دامن میں چوکھا آئے گا
 کارڈ اک بی رنگ لکھا ہے نمونہ کے لئے
 بند ہو کر ڈاک میں اخبار مفت آ جائے گا
 اک نئے پرچہ کی نیں ہر روز کر لیتا ہوں سیر
 یوں ہی قاصد سال بھر نامہ پہ نامہ لائے گا
 کوئٹہ ڈونڈا مجھ رنگیلے کا سلامت چاہئے
 بھنگ ہر چیلے مرا داتا مجھے پلوائے گا
 ہے غرض پرچہ سے، مطلب اُس کے مالک سے نہیں
 مجھ کو اس سے کیا وہ اس کو کس طرح چھپوائے گا

کاغذی کا بل کرے گا کس طریقہ سے ادا
 اور چھپائی کے لئے پیسے کہاں سے لائے گا
 ڈاک خانہ سے وہ کیا دے کر خریدے گا ٹکٹ
 پھر وہ کن وعدوں سے بھوکے عملہ کو پرچائے گا
 بال بچوں کے لئے کائے گا کس کے پیٹ کو
 اُن کو کیا کھانے کو دے گا اور وہ خود کیا کھائے گا
 قوم کا مخدوم ہے خدمت ہے جس کی اُس پہ فرض
 اس سے بڑھ کر کیا صلہ قومِ حزیں سے پائے گا
 فرض ہے اُس کا صبحی میری پلوائے مجھے
 بالیاں بی بی کی نیچے پرچہ بھجوائے مجھے!

لاہور۔ ۲۔ دسمبر ۱۹۱۶ء

(۲۷)

اخبار نویس کی مشکلات کا دور ثانی

نادہت

کولمبو سے زبان انگریزی میں ایک رسالہ نکلتا ہے جس کا نام "پیپلز میگزین" ہے۔ نادہت خریداروں نے اس رسالہ کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ ایک اپیل میں جو اس نے اپنے معاونین کے نام شائع کیا۔ وہ ایک پادری صاحب کی داستان بطور تنبیہ قلمبند کرتا ہے۔ پادری صاحب نے ایک دن منبر پر جلوہ افروز ہو کر ایک نہایت عالمانہ خطبہ ارشاد فرمایا اور خاتمہ پر اس خیال سے کہ سامعین کے ہٹوں کی گرہ اُن کے ناخن بلاغت سے کھلی نہیں تو ڈھیلی ضرور ہو گئی ہوگی۔ مغربی رسم کے مطابق ٹوپی سر سے اتاری اور وعظ سُننے والوں میں اُسے گشت کرایا کہ ہر شخص حرب توفیق اکتی دوٹی چوٹی روپیہ اشرفی اس میں ڈال دے۔ جب ٹوپی چکر لگا کر پادری صاحب کے پاس واپس آئی تو یہ دیکھ کر کہ اس میں ایک جھنجھی کوڑی بھی نہیں ہے آپ بے ستائشہ سجدہ میں گر پڑے اور خداوندی سوع مسیح کا شکریہ ادا کیا کہ اُن کے فضل و احسان سے کم از کم آپ کی ٹوپی تو آپ کو واپس مل گئی۔

یہ دلچسپ حکایت سن کر "پیپلز میگزین" کا ایڈیٹر لکھتا ہے :-

"بعینہ ہی حالت آج کل ہم اخبار نویسوں کی ہے" اور آخر میں ایک مشہور انگریزی نظم کا جو "اے سام آف لائف" (دسروہیات) کے عنوان سے مزین ہے اپنے حسب حال یوں خاکہ اڑاتا ہے :-

Lives of poor men oft remind us.
 Honest toil don't stand a chance.
 The more we work we leave behind us
 Bigger patches on our pants.
 On our pants once new and glassy.
 Now are patches of different hue.
 All because subscribers linger.
 And won't pay up what is due.
 Then let all be up and doing.
 Send in your mite be it so small.
 Or when the snows of winter strike us.
 We shall have no pants at all.

اس نظم کا اردو آپ ورنگ ملاحظہ ہو:-

کرتا ہے چچا سے گلہ بے مایہ بھتیجا
 کتنا نہیں کچھ بھی مجھے محنت کا نتیجہ
 کی مجھ سے اب اخبار نویسی نہیں جاتی
 چکی سحر و شام یہ پیسی نہیں جاتی
 گھٹے مرے ہاتھوں میں نہ دیکھو گے تم اتنے
 پتلون میں پیوند نظر آتے ہیں جتنے
 اُجلی بھی نئی بھی تھی کبھی مری یہ پتلون
 کچھ روز سے بدلا ہے مگر اس نے نیا جوتن
 پیوند نے ہر مہنت کیا میرے سر پر کو
 ملتا نہیں یہ نور قلندر کی جیبیں کو
 چندہ نہیں دیتے ہیں خرمیدار ہمارے
 پھر کیوں نہ الگ پودے ہوں تار ہمارے
 بھجوائے اخبار کا باقی ہے جو چندہ
 گر آپ کو ہر سہم کو بھی ہو پیٹ کا دھندا

پہلے ہی کتر بیونت سے پتلون ہو چھوٹی

ایسا نہ ہو جاڑوں میں یہ بن جائے لنگوٹی

۱۹۱۶ء
 لاہور ۲۰ دسمبر

(۲۸)

وہ اور ہم

”ستارہ صبح“ کی ادارت کے فرائض کی انجام دہی میں علامہ عبداللہ العادوی میرے مددگار اڈل اور مولانا خواجہ عبداللہ مددگار دوم تھے۔ لاہور کے ایک رئیس نے یہ دیکھ کر کہ ”ستارہ صبح“ بڑی کامیابی سے چل رہا ہے اُس کے مقابلہ میں اپنا ایک نیا اخبار ”الصباح“ کے نام سے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ اور علامہ عبداللہ العادوی کو طرح طرح کے سبزی باغ دکھا کر ”ستارہ صبح“ کے ادارہ سے نوٹ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ ”الصباح“ نے اپنا بازار گرم کرنے کے لئے ”ستارہ صبح“ سے چھپڑ چھپڑ شروع کر دی اور اعلان جنگ اپنی ۶۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں یوں کیا:-

صبحی کے چند قطرے

دہقان مے فروش کی چشم سیاہ مست اب توئے طہور کو دینے چلی شکست
اسلام اُس کے ناز کا سر مشرق انصرام الحاد اُس کی شان کا ممنون بندوبست
شیخ اُس سے شاد کام تو رہا اُس کے غلام معشوق ما بشیوہ ہر کس موافق است
باما شراب خورو و بنرا ہدمن از کرد

اس کا جواب اگلے دن میں نے "ستارہ صبح" میں پوس دیا :-

شیشہ الحادیں تقویٰ کی پری

سنا ہے کہ اتری ہے شیشہ کے اندر نئی اک پری نام ہے جس کا تقوے
 پہلاتی ہے بھر بھر کے جام صبحی کہ ہو اس کی تاثیر سے چشم حق وا
 کروں میں بھی اس شیشہ کی سیر لیکن
 مجھے ڈر ہے مجھ کو نہ ہو جائے لقوہ

علامہ عہادی ان تین نشتروں کی خلش سے بے تاب ہو گئے اور "الصباح" کی اگلی
 اشاعت میں اپنی ترکش ادب سے چند تیز نکالتے ہوئے میرے دل کی تواضع اس طرح فرمائی
 اب تک تو یہ سمجھے ہوئے تھے آپ کے دل سوز ہے مسخرگی بزم حریفان میں دل افروز
 اب آپ کو وعظوں میں بھی اصرار ہو اس پر اللہ وہی پر بھی کوئی وار ہو دل دوز
 مذہب کی یہ تضحیک ہو یہ بے ادبی ہو پھر کیوں نہ ہو ملت کے تو ہیں آپ آہموز
 بھانڈا آپ اگر بننے چلے شوق سے بنے منبر یہ ہے کس واسطے وعظ ستم اندوز
 رو مسخرگی پیشہ کن و ہزل بیاموز تا داد خود از کمتر و ہتر بتانی

اس کا جواب ۹۔ اکتوبر کے "ستارہ صبح" میں بالفاظ ذیل شائع ہوا :-

اللہ کی قدرت کا تماشا ہے کہ کل تک الزام وہ دیتے تھے مجھے بت شکنی کا

کہتے تھے اس مرث کی ہر اک بوند میں ہونہر
 مرنے تھے خود اس طفلِ برہمن کی ادا پر
 لیتے تھے مرے اس لبِ جان بخش کئے ن رات
 پیکے مرے آنسو بھی جب اس طفل کے غم میں
 افسانہ سنایا مرے دل نے بھی تڑپ کر
 سوچھا انہیں یہ طعنہ نور سنہ یکا یک
 مذہب کے ہے بنیاد یہ گمراہ اور اسلام
 منصب مجھے ہوتا ہو عطا از رہ الطاف
 فرماتے ہیں اسلام کا رستہ نہیں محفوظ
 گھر گھر مری نیرواں شناسی کی پڑی ٹھیم
 دونوں سے کیا آپ کے احساں نے سکباز
 ہوتا تھا جو چہر چا مری شیریں سخن کا
 جس کا شرہ ہمزاد ہے نیرے کی انی کا
 ہوتا ہے گماں جس پہ عقیق مبینی کا
 اور ان کو ملا مرتبہ ہیرے کی کنی کا
 جب اس نگہ ناز کی نایک فگنی کا
 دشمن ہے یہ کم بخت رسولِ مدنی کا
 ہے شکوہ گزار اس کی وریدہ دہنی کا
 الحاد کے دربار کی صدر انجمنی کا
 بے چارے مسافر کو ہو ڈر راہ زنی کا
 نظارہ بنے آپ مری اہر منی کا
 رکھنا نہ مجھے دیں کا نہ دنیائے دنی کا

اک جانِ حزین رہ گئی لے لیجئے وہ بھی

حق اس پہ ہو کیا آپ کے گردنِ زدن کا

علامہ عادی کے قلبِ صافی پر ان اشعار کا بے حد اثر ہوا جن رئیس صاحب کی فریبندگی
 "ستارہ صبح" سے آپ کی علیحدگی کا باعث ہوئی تھی اُس سے آپ نے فوراً قطعِ تعلق کر لیا اور
 "ستارہ صبح" کے ادارہ میں واپس آکر پہلے کی طرح میرے ادبی رفیق بن گئے۔

(۲۹)

”سارہ صبح“

سرشتہ رقابت مطبوعات کی احتسابی زدیں

ڈاکٹر کھچڑی کھلاتا تھا مگر ابلی ہوئی ایک مدت سے غذا ملتی تھی یہ میری مجھے
میرے سالن میں نہات تاک بھی پڑتا تھا کبھی خود بھی کڑوانے لگی تھی مریح کی تیزی مجھے
لیکن اب شاد ہوتا ہے کہ کھچڑی بھی ہو منع کیونکہ اس میں بھی ہو خوب نطفہ آئینہ میری مجھے
راہ چلتے چلتے خود اٹھ کر پٹ جانے کو ہو جھاڑ ہو کر میرے مضموں کی دل آہ میری مجھے
میرے موٹی کوڑیوں کے بھاؤ پاک جانے کو ہیں نفع پہنچانے کو یہ میری گھر رہی مجھے
تیل ہی میں بیچ لینا فارسی آتی اگر میری قسمت نے پڑھا دنی بلحق انگریزی مجھے

اے خدا فلیسٹیجیولی کی ہے تفسیر کیا

کام کس دن ہے گی یہ میری سحر خیزی مجھے

۱۹۱۷ء

لاہور - ۱۷ اکتوبر

(۳۰)

متصوفانہ کنکوائے بازی

کر لیا میں نے انتظام ڈور کا اور پتنگ کا
حلقہ گردان نیاز بن گئے گیسوئے دراز
حی علی الفلاح کا حکم مرید کے لئے
اب نہ وہ ماصفا رہا اور نہ وہ ماکدر رہا
کشورِ نور پر کیا خیل ظلام نے خروج
وہم ہوا ہو سرنگوں عقل ہوئی ہے سرفراز
چاہئے مجھ کو اب فقط ایک پیالہ بنگ کا
قطع ہوا ہے سلسلہ شرع کے پالہنگ کا
پیر کو خود ہے مشغلہ بربط و نائے وچنگ کا
نذر میوں کے جام میں رنگ ہے آب بنگ کا
ڈال دیا ہو شیشہ سے سنگے ڈھنگ جنگ کا
آئینہ کو نہیں رہا و سوسہ کچھ بھی رنگ کا

راہ تو ہے مستقیم ہم ہی مگر نہیں تویم
مرحلہ نجات کو عذر ہے پائے رنگ کا

لاہور - نومبر ۱۹۱۷ء

(۳۱)

طریقیت کا کلام اللہ

سمرقند میں ایک صوفی بزرگ ابو اللیث گزرے ہیں جنہوں نے ارباب طریقیت کے افادہ کے لئے ایک قرآن تصنیف فرمایا تھا۔ جناب ابو اللیث نے وہ تمام آیات کا ملہ درج فرمائی ہیں جو جناب باری نے عرش بریں پر معراج والی رات بدون وساطت جبریل امین اپنے رسول مقبول پر اتاری تھیں۔ طریقیت کے اس کلام اللہ کا ایک نسخہ لاہور کی اورینٹل لائبریری میں موجود ہے۔ علامہ اقبال نے اس پر تبصرہ کرنا شروع کیا تھا اور اگر یہ دلکش تبصرہ شائع ہو جاتا تو مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ کئی دینی قرآن کی زبان اور سمرقندی قرآن کی زبان میں کیسے کیسے فرق ہیں۔ لیکن ہندوستان بھر کے ارباب طریقیت نے اُس زمانہ میں ستارہ صبح کی قائم ہوئی تحریک اور میرے خلاف جو اعلان جنگ کر رکھا تھا غالباً اُس کے شور و غوغا سے متاثر ہو کر علامہ ممدوح نے اپنے تبصرہ کی اشاعت کا قصد ملتوی کر دیا۔ اشعار ذیل کا ثواب ہندوستان کے حلقہ متصفین کرام کی نذر کیا جاتا ہے :-

کلام اللہ کی میں بھی تلاوت روز کرتا ہوں مگر اس کے مصنف ہیں ابو اللیث سمرقندی
مری آنکھوں میں نقش مانی وہنرا و پھرتا ہوں مرا مسکا ہے ارژنگی مرا مشرب ہے پائندی

دکھا دو جلوہ کثرت کا مجھے وحدت کے پردے میں

کہ مشرع مصطفیٰ کی ہو سکے مجھ سے بھی پابندی

۱۹۱۷ء

لاہور ۱۲- نومبر

(۳۲)

عقل جنوں خیر

ہے جستجو دوا کی دل درد مند کو اور پھر دوا بھی وہ جو ہو پہنیر کے بغیر
 بے لطف ہے فسانہ گل و عنذلیب کا شیراز و مر و مشہد و تیریز کے بغیر
 سرمایہ حیات ہے پیرویۂ نشاط جینا عبت ہے طبع طرب خیر کے بغیر
 توں نام مصطفیٰ ہی کہ آتا نہیں قرار اس قصہ لذیذ و دل آوینے کے بغیر
 ظلمت ہو زیب نور کہ بزم رسول کی رونق نہیں ہے خسرو پرویز کے بغیر
 نمنخانہ حجاز کے مستوں کی زندگی بیکار ہے ایاغئے تیز کے بغیر
 دیوانگی نہ ہو تو یہ سر زانگی نہ ہو مسلم ہے ہیچ عقل جنوں خیر کے بغیر

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہو

اسلام کے پیالہ لبریز کے بغیر

لاہور - ۱۴ نومبر ۱۹۱۷ء

(۳۳)

حکم و حکمت

جب محمدؐ کو ملا پیغام اکملت لکم
 آسمان نے حکم کا انعام حکمت کو دیا
 نکل ہمیشہ کے لئے شمع نبوت ہو گئی
 حق کی حجت ختم ہو کر حق کی رحمت ہو گئی
 مصطفیٰؐ ہیں گلشن توحید مسلم بوئے گل
 خود وہ ہیں خیر البشر خیر ان کی اُمت ہو گئی
 ماہِ نو کی کیا ضرورت بدرِ کامل کی شبیہ
 جب کلام اللہ کی ایک ایک آیت ہو گئی
 پھر یہ ہم سے پوچھتے ہیں آ رہا ہے کیوں عذاب
 اللہ اللہ! آپ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی

لاہور - ۱۶ - نومبر ۱۹۱۶ء

(۳۴)

مدینہ کے ایک کبوتر کی یاد میں

جسے علامہ اقبال کے ارادت کیش ہاتھوں نے پالا تھا مگر ۲۰ نومبر ۱۹۱۷ء
کو ایک بلی کا شکار ہو گیا۔

رحمت ہو تیری جان پر اسے مرغِ نامہ بر
اندازِ جبریل تھا تیری اُڑان میں
زمرم میں تڑپتی تھی منقارِ نغمہ ریز
جاں کو بسا دیا تھا شمیمِ حجاز میں
ہم کو دیا پیامِ الف لامِ یٰم کا
نفرت ہی آشیانہ ہستی سے تھی تو کیوں
تجھ پر ابو ہریرہ بھی قربان ہوں کہ تھا
آیا تھا اُڑ کے فروہِ بامِ حرم سے تو
کہ تانا کیوں حدوث کو پیدا قدم سے تو
کرتار ہا عرب کو نمایاں عجم سے تو
لایا تھا تار توڑ کے زلفِ صنم سے تو
نا آشتی نہ تھا رہ و رسمِ الم سے تو
آیا اتر کے طارمِ کاخِ عدم سے تو
وابستگانِ دامنِ شاہِ اُمم سے تو

شاید انہی کی راہ میں تو ہو گیا نثار

گر بیچ سکا نہ گریہ کی مشقِ ستم سے تو

۱۹۱۷ء
لاہور ۲۲- نومبر

(۳۵)

قافلہ اسلامیان ہند کا سالِ ارامِ عظم

کیا لئے پھرتا ہے اپنے مہر و ماہ کو تو نے دیکھا بھی نظام الملک آصف جاہ کو
 آج وہ اُس قافلہ کا ہند میں سالار ہے کہکشاں نے پالیا تھا جس کی گرد و راہ کو
 جس کی رحمت کر گئی حل ایک عالم کے لئے عقدہ دستِ فراخ و دامن کو تارہ کو
 ذرہ جس کی ماکیت سے مہر انور ہو گیا کر دکھایا کہ جس کی تمکنت نے کماہ کو
 جس کا حکمت کا مجبِ اُتنا عمیق و ژرف تھا وہم کا غواصِ اعظم بھی نہ پہنچا تھاہ کو
 نعمتِ توحید جس نے عام کی سب کے لئے لا بٹھایا ایک محفل میں گدا و شاہ کو

جس نے جانا تھا اُدھر ورجہ رسول اللہ کا

جس نے مانا تھا اُدھر پروردگار اللہ کو

لاہور یکم دسمبر ۱۹۱۷ء

(۳۶)

تاجدارِ دکن

میر عثمان علی خاں مدظلہ العالی

۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو علی حضرت آصف جاہ ہفتم خلد اللہ ملکہ وسلطانہ کی طلبی پر میں

دہلی پہنچا اور شرف باریابی حاصل کیا۔ نظم ذیل اس سعادت اندوز تقریب پر حوالہ قلم کی گئی

اور علی حضرت نے اسے شرف پذیرائی بخشا۔

روشنی شمع کو دی جس نے شبستان کے لئے	مصطفائی مجھے بخشی مرے ایماں کے لئے
عالمِ قدس سے اک نور چلا آتا ہے	میرے دیوان کی آرائش عنوان کے لئے
بیت ہی نور علی نور ہے پر تو جس کا	کبھی سینا کے لئے تھا کبھی فاراں کے لئے
جھلملایا کبھی بیت خانہ دل میں آ کر	جگمگایا کبھی آتش کدہ جاں کے لئے
بن گیا ہے یہ کبھی رونق صحرائے عرب	کبھی زینت ہے عجم کے چمنستان کے لئے
نسبتیں بیچ ہیں اسلام کے سارے آگے	کہ شرف سے بڑا تھا یہی سماں کے لئے

آسماں ہو کہ زمیں عالم و مافی العالم
 جان کی حضرت باری میں بچھاؤ جس نے
 سچ جو بوجھو تو یہ سب کچھ ہو مسلمان کے لئے
 وقف ہو جس کی جیبیں درگاہ نیر و اں کے لئے
 ملک پر جو ہو خدا قوم پہ جو ہے قرباں
 جس کے دل میں ہو ارادت کے تقاضے جگہ
 وکن اور اس کے خداوند کے احسان کے لئے
 بڑی مشکل ہو یہ مجھ بے شرم سامان کے لئے
 پادشاہی اسے حاصل ہے فقیر ہی مجھ کو
 ایک نلت مرزا من میں ہے لیکن موجود
 دین اسلام کے اس حامی و پیشان کے لئے

دل ناشاد میں ہے ملت بیضا کی تڑپ

وہی لایا ہوں میں عثمان علی خاں کے لئے

دہلی ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء

علی گڑھ میں حضور نظام کا قدم مہینت لے

اے علی گڑھ بخت ہوتا ہی ترا بیدار آج
تیری قسمت کی گرہ کھلنی تھی آخر کھل گئی
جنگ کا اٹھے حرم کے بام و درجیں فور سے
کشتی اسلام کو مل ہی گیا اک نا خدا
بند جس بستی میں تھی کل تک دکان اسلام کی
صحن کالج روکش چرخ مکو کب ہو گیا
آگئے گردش میں اسلامی اخوت کے باغ
جھوم کر اٹھی وکن سے اک گھٹا ایتار کی
ہے گمراہیاب نظر کو شوکتِ دین کی تلاش
جوش میں رہ رہ کے آیا ہے خمستان وکن
تیرے گھر آیا ہے چل کر قوم کا سردار آج
ہو گیا آسان تیرا عقدہ دشوار آج
آتش کے روشن ہو گئے تیرے در و دیوار آج
ہو گیا آخر مسلمانوں کا بیڑا پا آج
گرم ہوتا ہو امانت کا وہاں بازار آج
ہو گئے پیش نظر سب ثابت و سیا آج
مست بھی ہم کو نظر آنے لگے ہشیا آج
اور وہ برسی ہم پہن کر ابر گوہر با آج
دیکھ لیں آکر نظام الملک کا دربار آج
یاد نشہ ساقی بنا اور ہیں گدا میخوار آج

میر عثمان علی خاں پر خدا کی رحمتیں

۱۸۔ فروری ۱۹۱۸ء ہم سے پورا جس کی دولت کا ہوا اقرار آج

(۳۸)

شریعت اور طریقت کی آویزش

سرہانیکل اوڈو اثر لفٹنٹ گورنر پنجاب کی ستم پیشہ لوکیت نے زمیندار کو سبند و رکھدا رکھا تھا اور مجھے نیم نظر بندی کی حالت میں اپنا ادبی شوق پورا کرنے کے لئے روزنامہ ستارہ صبح کی ادارت کے فرائض کی انجام دہی کی اجازت دے رکھی تھی۔ سیاست اُن ایام میں میرے لئے شجر ممنوعہ کا حکم رکھتی تھی۔ اور ستارہ صبح کے اوراق صرف غیر سیاسی مضامین کے لئے وقف ہونے پر مجبور تھے۔ تاریخ، فلسفہ، اقتصاد و معاشرت، مذہب اور ادب لطیف وہ موضوع تھے جن سے میں اپنا دل پرچا سکتا تھا۔ میں نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور ارباب ذوق سلیم کے لئے علم و حکمت کی ایک نئی بستی بسا دی جس کے بام و در کتاب و سنت کی روشنی سے جگمگا اُٹھے۔ نقلی صوفیوں اور جھوٹے پیروں کا پول ستارہ صبح میں کچھ اس طرح کھولا گیا کہ دُنیا سے طریقت کے برنہ و غلط رہنما چھ اُٹھے۔ چنانچہ میرے خلاف ان ہمدردوں نے ایک وسیع چال پر سازش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح میں اُن کے راستہ سے ہٹ جاؤں۔ پہلے تو لاہور میں ایک شہوم و حامی جلسہ کیا جس میں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا جو اب تک واپس نہیں لیا گیا۔ اس پر بے اختیار میر منہ سے نکلا:- کوئی ٹرکی لے گیا اور کوئی ایراں لے گیا کوئی دامن لے گیا کوئی گریباں لے گیا رہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا وہ بھی ہم سے چھین کر حامد رضا خاں لے گیا

اس کے بعد ایک مہموریل تیار کیا گیا جس پر طول و عرض ہند کے پیروں اور صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے دستخط ثبت تھے۔ اس مہموریل میں حکومت پنجاب سے استدعا کی گئی تھی کہ کسی طرح میرا منہ ہند کیا جائے۔ یہ اسی مہموریل کا نتیجہ تھا کہ مجھے پنجاب چھوڑنا پڑا اور کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد جا کر اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کے دامن دولت میں پناہ لینی پڑی۔ اگرچہ حیدرآباد میں بھی حریفوں نے میرا پیچھا چھوڑا اور مجھے اُس گوشہ عافیت کو بھی چھوڑ کر پنجاب کا رخ کرنا پڑا۔ جہاں نئی باتیں میرے استقبال کو موجود تھیں۔ لیکن یہ ایک جداگانہ داستان ہے۔ ذیل کی نظم میں انہی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دُرا رہے ہیں وہ اپنے مہموریل سے مجھے	ستارہ صبح کا ہوں ڈہ ہو کیا زحل سے مجھے
ملی ہے دین محمد کی سرمدی دولت	یہ زندگی ہو تو کیا خوف ہوا جل سے مجھے
جگر کے راز سے آنکھ آشنا ہوئی ہی نہیں	نکالنا ابھی طوفاں ہوا اک بغل سے مجھے
مجھے بھی نکتہ تصوف کا ایک ہے معلوم	کہ لکھنے آتے ہیں مضمون دستِ شل سے مجھے
مرا یہ ہاتھ ہے اور دامن ہمیب رہے	یہ لازوال سعادت ملی ازل سے مجھے
میں آفتاب ہوں اسلام آسماں ہوا مرا	وہ پھر دکھاتے ہیں کیوں و شنی کنول سے مجھے
نظامِ مصطفویٰ کا میں ایک عنصر ہوں	ہر اس کس لئے ہو پھر کسی خلل سے مجھے
اگرچہ پست ہوں فطرت ہوا رجمند مری	ملا یہ رتبہ خداوند عزوجل سے مجھے
حدیث نے مجھے پہنچا دیا ہو قراں تک	کہ ذوقِ علم میسر ہوا عمل سے مجھے
سمجھ میں آئی ہوا اب رمزِ گلِ یوم کی	خجستہ تر نظر آتا ہے آج کل سے مجھے
حضورِ احمد مرسل کا سایہ ہے سر پر	ہٹا سے کہہ دو نہیں کام میری چھل سے مجھے

(۳۹)

دنیا اور دنیا والوں کا نقشہ

کیسے پنچوں ہیں اس انداز سے سب کا نقشہ
 کیسوں میں پھرے جس سے طلسمات کا نقشہ
 حاجت نہ رہی کچھ بھی سکندر کو حضر کی
 ہے سامنے لٹکا ہوا ظلمات کا نقشہ
 ابر کرم آیا ہے کھل اے چشم بصیرت
 اور دیکھ لے اللہ کی آیات کا نقشہ
 گلشن میں بہا ر آئی ہری ہو گئی ہر شاخ
 یہ اسم کی تصویر ہے وہ ذات کا نقشہ
 چلتے ہوئے طوفان میں ہر دید کے قابل
 قدرت کے عناصر کے فسادات کا نقشہ
 روتا ہوا دھرا بر تو ہنستی ہے ادھر برق
 جب بوٹ کی ٹھوکر سے گرا میں تو وہ بولے
 دنیا جسے کہتے ہیں وہ ہے بازی شطرنج
 کیا دیکھتے ہو چرخ ستم گار کی صورت
 ہر چال میں کھنچتا ہی یہاں مات کا نقشہ
 جو دوست ہیں منہ پر وہ پس پشت ہیں دشمن
 لٹکا ہے بلندی پہ اک آفات کا نقشہ
 پانی کے عوض ہوتی ہے دسکی سے تواضع
 اس دور میں بدلے مدارات کا نقشہ

دُنیا میں جو ہیں دین کے ارکان خصوصی کھینچتا ہو کچھ بابِ اُن کے بھی حالات کا نقشہ
 اس عہد کے اشرار ہیں طاغوت کی صورت اس دور کے انبیاء ہیں طامات کا نقشہ
 دن رات اُڑاتے ہیں مرے حضرتِ اعظم ○ دلکش ہے بہت آپ کے اوقات کا نقشہ
 ظاہر میں تو مسجد کی ہے محرابِ مقابل ○ دل میں ہے مگر خلد کے باغات کا نقشہ
 حوروں کی دُعا مانگتے ہیں پڑھ کے نمازیں خالی نہیں علت سے مناجات کا نقشہ
 تعویذِ مرید اور اکو دیا کرتے ہیں لکھ کر یوں کھینچتے ہیں اپنی کرامات کا نقشہ
 ارشاد یہ ہوتا ہے کرو خدمتِ مرشد مخصوص یہ ہے اُن کی ہدایات کا نقشہ
 فرصت نہیں اور ادبیائی سے کسی وقت اک رنگ پہ رہتا ہو عبادات کا نقشہ
 صد سالہ پیش اٹھی ہو بڑی ہر بھی گھٹا ہے دیکھے تو کوئی قبلہ حاجات کا نقشہ
 یہ شکل یہ اشغال یہ اعمال یہ افعال یہ عہد ہے محشر کی علامات کا نقشہ
 کچھ ان میں ہیں اللہ کے بندے بھی مگر کم اشعار میں ہے عام خیالات کا نقشہ
 کھینچا تو ہے محنت سے مگر خوفِ ہی ہے
 کہہ دیں گے اسے آپ خرافات کا نقشہ

لاہور یکم ستمبر ۱۹۱۸ء

(۴۰)

رَبِّ کعبہ کا لطفِ عام

گجروم آج مستوں کو یہ جاں پُر پیام آیا
 قباۃِ ملتِ بیضا کو جن نگوں کی حاجت تھی
 خدائے تخت سے نگاہیں منظوموں کی فرمادیں
 سواری رہ نورِ منزلِ اسری کی جب نکلی
 مرتب آپ کی جس کی ہر اک شق رب اکبر نے
 جھکا دیں گردنیں فرطِ ادب کے کج کالاہوں
 کہ تم سب جس کے متوالے ہو گردشِ ہش جام آیا
 شہبازوں کے لہو کا قطرہ قطرہ اُن کے کام آیا
 ستم کی روح کا نپ اُٹھی کہ وقتِ انتقام آیا
 توجیرِ دل میں تھامے ہوئے اُس کی لگا آیا
 پیہرِ عرش سے لے کر وہ دستورِ نظام آیا
 زباں پر جب بکے سا بابلِ ادوں کا نام آیا

رسول اللہ سے ازیں کہ نسبتِ خاص اُن کو
 مسلمانوں کے حصّہ میں خدا کا لطفِ عام آیا

لاہور - ۶ - دسمبر ۱۹۲۱ء

(۴۱)

ترک اور یورپ

گلیڈسٹن یہ حسرت کنج مرق میں گیا لے کر کہ یورپ سے نہ نکلے ترک بستر پوریا لے کر
 یہی زہر اب بھی لائڈجارج کے زخموں سے رستا ہے بیخ اغ اپنی پیشانی پہ پونرلا مرالے کر
 قدم بڑھ کر لئے عثمانیوں کے فتح و نصرت نے بڑھے جب ہاتھ میں جھنڈا رسول اللہ کالے کر
 شہیدوں کے ستر کی قیمت آزادی کی رو بہو خود آیا سر کے بل مقتل میں قاتل خون بہالے کر
 بجز اپنے سے منہ کے یا مسلمانوں کی نفوس کے گئے انگریز قسطنطنیہ کی گلیوں سے کیا لے کر
 مسلمان ہو تو دنیا میں خدا کا نور پھیلائے حیرم خواجہ شریف کی مٹی کا دیا لے کر

توکل کا یہ طلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
 پھر انجام اس کی تیری کا مفد کے حوالے کر

۱۹۲۶ء

(۲۲)

نمستہ علیکم

ماہ جون ۱۹۲۶ء میں سکھوں کے سنگٹھینیوں نے ایک جلسہ کیا جس میں ایک کٹر آریہ سماجی پرتاپ سنگھ نے جاتی کی نیتوں کی ترجمانی کا حق بروایت "پہیسہ اخبار" لاہوریوں ادا کیا :-

ہماری زنہ نگنی کا صرف ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے مذہب کو مٹا دیں۔ ہندوؤں کو ماما کے گلے پر چھری پھیرنے والوں کی طرف سے تمہارے دلوں میں رحم کا کوئی جذبہ نہ ہونا چاہئے بھیشم کے سپوتو۔ ارجن کے دوا رو ! اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مائیک کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دو تو بھی تھوڑا ہے۔ ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون حلال ہے۔ کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہ کرنا چاہئے اخبار آریہ مسافر "اگرہ کے شہرہ آفاق ایڈیٹر ہما شہ کالی چرن جنہوں نے مسلمانوں کے آقا و مولا کو غلیظ سے غلیظ گالیاں دے کر ہندوستان کی آریائی دنیا کو اپنی تعریف میں رطب اللسان بنا لیا ہے۔ جاتی کے منصوبہ بازوں کی دوسری ٹولی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پرتاپ سنگھ کی طرح یہ ہما شہ کھلم کھلا یہ تو نہیں کہتے کہ مسلمانوں کو الٹی چھری سے حلال کر کے ان کا خون غٹ غٹ پی لینا چاہئے لیکن کعبہ کی چھت پر آدم کا جھنڈا نصب

کرنے کی فکر میں ضرور ہلکان ہوئے جاتے ہیں۔ اور اپنے بھائی بندوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ عرب اور عجم کا شدھ ہو جانا چند دن کی بات ہے۔ بلکہ ابھی سے انہوں نے فرضی فلسفے بھی تصنیف کرنے شروع کر دیے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ عرب اسلام چھوڑ کر جوق در جوق ہند و دھرم میں داخل ہو رہے ہیں۔

مولانا سید غلام بھیک نیرنگ نے جو جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام کے معتد عمومی ہیں اپنی جمعیت کی ہشت ماہہ رپورٹ مارچ لغایت دسمبر ۱۹۲۵ء میں ہما شہ کالی چرن کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ :-

انجاء آریہ مسافر اگرہ میں عجیب و غریب عربی نمازیان میں فرضی عربوں کے فرضی مکالمات شائع کئے گئے جو نمستے علیکم علیکم نمستے سے شروع ہوتے تھے اور جن میں یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ گویا عرب لوگ مسرت آمیز استعجاب کے ساتھ اقرار کرتے ہیں کہ ہم تو ویدک دھرم کے بارہ میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ یہ تو پڑا عمدہ مذہب ہے اور اسلام اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے سید صاحب ایک کہنہ مشق سخنور ہیں اور صلفہ احباب میں اپنی بذلہ گوئی اور لطیفہ سنجی کے لئے مشہور ہیں۔ تعجب ہے کہ نمستے علیکم علیکم نمستے کی خندہ آفرین ترکیب نے ان کے سمند سخن پر تازیانہ کا کام کیوں نہ دیا۔ شاید ان کی لیلائے شاعری تبلیغ کے محل میں بند ہو کر رہ گئی جس کا پردہ اب قیس کے لئے بھی نہیں اٹھتا۔ بہر حال یہ فرض کفایہ میں نے انجام دے دیا۔ ملاحظہ ہو :-

(۱)

سنا ہے کہ ایک اگرہ کا مسافر ! اٹھاتے ہوئے سر پہ ویدوں کے بستے
عراق عرب میں پہنچ کر پکارا نمستے علیکم علیکم نمستے

کبھی بھاؤ منگا تھا ہندو دھرم کا ہیں لیکن اب اس جنس کے دام بستے
 یہ وہ بل ہے جس میں گھسا چاہتے ہیں تمام اہل اسلام شدھی کے رستے
 مسخر کریں گے عرب اور عجم کو مہا بیردل کے گرانڈیل دستے
 نہیں پوں ہی ان کی تباہی پہ ہم کو برس تین گزرے کمر کستے کستے
 اگر دھوتیاں باندھ لیتے مسلمان

نہ پوں اُن پر ایٹ اور پتھر برستے

(۲)

چواڑ بت پرستے شنیدائیں سخن ہا بخند بدوزد نعرہ یزداں پرستے
 چہ عوج گئی لے سگ کوئے کاشی ہنوز اندیں بیشہ شیر نراستے
 کہ سر پنچہ سامری افکن او ز خوناب گو سالہ ہا احمر استے
 مکن تکیہ بر پارہ سنگ و خشتے کہ ہندو سبھارا بدست اندر استے
 مشو غافل از سیف مسلول مسلم کہ از ہر خشنده روشن تر استے

بیک ضربتِش صدر سرازتن جدا شد

بسے کافراں را، تما ہم سہراستے

”زبیدار“ کے پڑھنے والے عراق میں بھی موجود تھے۔ انہوں نے جب حکومت عراق کو اس نظم کے مفہوم کی طرف توجہ دلائی تو اس نے عراقیوں اور ہندی مسلمانوں کی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے آریہ سماجیوں کی خطرناک تحریک کا سرکھل دیا اور احکام جاری کر دیے کہ کوئی آریہ سماجی اس ملک میں اپنا مندر نہ بنائے اور نہ یہاں شادی کا پاکھنڈ پھیلائے۔ ان احکام کے اجرا سے آریہ ہماشوں کے گھروں میں پش پڑ گئی۔ ہندوستان میں انہوں نے بڑا شور مچایا اور انگریزی حکومت سے مداخلت کی التجائیں کیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مجبوراً انہیں عراق چھوڑنا پڑا۔ اور اب اگرہ یا بغداد کہیں سے بھی سننے میں نہیں آتا کہ نستے علیکم علیکم نستے۔

(۳۴)

سرکارِ دو عالم سے التجا

نجد ترا ہے مصر ترا ہے روم ترا ہے شام ترا
 ہند میں لیکن کفر پہ غالب آنہ سکا اسلام ترا
 خوفِ خدا تو اٹھ ہی چکا تھا شرمِ نبی کی بھی نہ رہی
 مسلم ہندی دیدہ وروں نے دیکھ لیا انجام ترا
 اندلی آپ اپنے ہی ہاتھوں ہو گئے تھے جس طرح تباہ
 میٹ رہا ہے آج اسی ڈھب سے کام ترا بھی نام ترا
 غیر کے بدلے اپنے لہو کی تیرے سناں کو چاٹ لگی
 پیر گیا خود اپنے جگر میں خنجرِ خوں آ شام ترا

تاک رہا ہے بارم حرم کو اوم کا جھنڈا گول سے
 مضحکہ اڑتا دیکھ رہے ہیں بہت کدہ میں اصنام ترا ۵
 ساتی یثرب میکہ تیرا مستی عالم کا ہے کفیل
 بادہ ہمیں کو پھر نہیں دیتا کس لئے لطف عام ترا
 دین حجازی کی عصبیت ہم کو عطا کرا ز سر نو
 کیونکہ یہی تھا جو کہ ہے اب بھی سب بڑا انعام ترا

لاہور۔ ۶۔ فروری ۱۹۲۷ء

✓
(۴۴) ۵

سورۃ بقرہ کے بھول جانے کا انجام

اگر شر شار ہوتی جذبہ توحید سے ملت
تو اس سے مالوی جی بر سر پر خاش کیوں ہوتے
لٹھیتی کا سبق جانی کو دیتے آ کے موبخے کیوں؟
ہماری دولتوں کے راز پنہاں فاش کیوں ہوتے
الچختے غازیوں سے دم یہ کب تھا سنگٹھنیوں میں
مقابلہ ہر عالم تاب کے خفاش کیوں ہوتے
ہماری مسند اقبال و دولت کے تختائی
ہماری ہر دم رنگا رنگ کے فراش کیوں ہوتے
پہمیر کو یہ منہ پھٹا آریہ لکھتے ”رنگبلا“ کیوں
شہر یہ اس درجہ آج اس وضع کے ادب اش کیوں ہوتے

تسخر کیوں اُڑاتے صبح و شام اسلام والوں کا
 دلیر اتنے "ملاپ" اور "تیج" اور "پرکاش" کیوں ہوتے
 "لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں ہم کو"
 یہ نقشہ سامنے تھا ورنہ ہم نقاش کیوں ہوتے
 نہ پھنستے سو کے چکر میں لے کر قرض بننے سے
 تو ہم خیبر الامم کہلا کے یوں قلاش کیوں ہوتے
 تمہیں گریا ہوتی سورہ بقرہ اے مسلمانو
 تو ساندھنیوں کی ہنڈیا میں بگھاڑے ماش کیوں ہوتے

لاہور۔ ۲۴۔ فروری ۱۹۲۷ء

(۲۵)

رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

گزر گیا مہ شعبان مہ صیام آیا سوا قدس سے پیکِ نجات گام آیا
 ملائکہ کے جنو آسمان سے اترے پیامِ رحمت یاری جہل کے نام آیا
 ہو شر وہ بادہ کشوں کو کہ ایک سال کے بعد پھر ان کے سامنے جنت سے دو رجاء آیا
 اسی مہینہ میں نازل ہوا کلامِ مجید اسی مہینہ میں اسلام کا پیام آیا
 ملی سپید وسیہ کو نویدِ امن و سلام بشر کے واسطے انعامِ لطیف عام آیا
 خنک وہ جان جو اسلام پر نشان ہوئی خوشا وہ سر جو خدا کی طلب میں کام آیا
 خدا کرے کہ میں یہ کہہ سکوں عزیزوں سے
 گیا حجاز کو اور فائز المرام آیا

لاہور - ۲۶ مارچ ۱۹۲۷ء

(۴۶)

انقلاب اے انقلاب

آ رہی ہے بارغ گیتی میں بہار انقلاب
 پتی پتی سے صدا طوبیٰ لہم کی ہے بلند
 قالب مشرق میں پھوٹنی جا رہی ہو روح نو
 جان استعمار بھینچی جا رہی ہے ہند میں
 انقلاب تازہ دیکھو کر ہے ہیں شان
 روزگار سفلہ پرور کا تماشا دیکھنا
 شہسوار آزادی کامل کا اس میں نہاں
 ترک جدوجہد ہے تاریکی بزم حیات
 کھب گیا آنکھوں میں رنگ لہ زار انقلاب
 ارغنون زندگی ہے شاخسار انقلاب
 نغمہ ہائے قم سے ہے معمور تار انقلاب
 کس بلا کا روح فرسا ہو فشاں انقلاب
 پردہ برداری کا دعویٰ پردہ دار انقلاب
 کاسہ لیبی دے رہی ہے اشتہار انقلاب
 بیٹھنے ہی خود دکھائے گا غبار انقلاب
 منقل ہستی میں روشن کر شرار انقلاب

انتم الاعلیٰ ہے طغرائے منشور قضا

ما استعظم ہے عنان رہوار انقلاب

(۴۷)

سنگٹھن کی چکی اور شدھی کی چھلنی

صدا جس کر رہے ہیں سنگٹھنے بیٹھ کر باہم
 کہ بھارت کے سپوت اور بالوی کچے بھگت بنے
 اکھڑے کھو دیے وٹنر پیلے لٹھ باندھ کر پھرنے
 اکڑتے اینٹھے چلے بریے اینڈینے تنے
 مسلمان گراٹھائیں سرتو برسا دیجئے نہیں
 اب اس میں خواہ ہوں حمیرے یا ہوں سہارنے
 چھٹی کا دودھ یاد آ جائے ان ورنگے بیوں کو
 بنا دیں بھاؤ آٹے وال کا اسدام کو بنے
 یہ چیخے دیویوں میں ہیں کہ رن ہی جیتنا ٹھہرا
 مسلمانوں سے کہتے ہیں یہ شر و صائمہ کے چیلے
 تو پرتاپ اور سالگ کی طرح کے سورما بنے
 کہ کچھ دن آپ بھی تو تختہ مشق جفا بنے

ہو چکی سنگٹھن کی آسرا شدھی کی چھلنی کا
 جو گہروں کی طرح پستے تو آٹے کی طرح چھنے

۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء

(۲۸)

سر علی امام!

سروں کے ذکر پہ اک دوست نے سوال کیا کہ اس گروہ میں کچھ لوگ نیک نام بھی ہیں؟
 مری نظر میں تو سب سر ہیں نفس کے محکوم اور اس کے ساتھ ہی سر کے غلام بھی ہیں
 دیا جواب یہ ہیں نے کہ ان کو کچھ نہ کہو اسی گروہ میں سید علی امام بھی ہیں

نئے سحاز نہ پینے کا عہد باندھ کے اب
 شکست تو یہ میں سرگرم اہتمام بھی ہیں

لاہور۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۶ء

لالہ لاجپت رائے

ہم ہیں سوجان سے قربان جس آزادی پر
 رکھی احرار نے اس ملک میں جس کی بنیاد
 اُس کی تقریر کو بخشی گئی تھی جو تاثیر
 بزمِ احرار کی رونق وہ بڑھا دیتا تھا
 اُس کے مرنے کی جگہ پاش خبر آتی ہے
 لالہ باقی چمنستان میں نہیں ہے نہ سہی
 لوگ کہتے ہیں اُسے گشتہ تہذیبِ فرنگ
 جو پٹی ہے ستم و جور کے گہواروں میں

رنگ لائے نہ کہیں خونِ شہیداں اک دن
 یہی چرچا ہے ہر اک شہر کے بازاروں میں

نوجوانانِ وطن سے خطاب

جکڑے رہو گے کب تک مغرب کے بندھیل ہیں
 کیوں ہو گے سرکھٹ تم گھر سے نہیں نکلتے
 وہ سلطنت ہوئی کیا ہندوؤں میں جس کی
 گزری ہوئی وہ دن اب پس نہ آسکیں گے
 مل جاؤ ہندوؤں سے اور دونوں مل کے کرلو
 شیخ اور رہمن کو ایک آنکھ سے جو دیکھے
 فرصت چول گئی ہے جانو اسے غنیمت
 حالی کی روح تم کو پیغام دے رہی ہے
 کب تک رہے گی تم پر پیغیروں کی حکمرانی
 بچپن سے سن رہے ہو اسلام کی کہانی
 اورنگ زیب اعظم تھا آخری نشانی
 پھر کیوں نہ یہ نصیحت سن لو مری زبانی
 اپنے وطن میں قائم ایک ایسی راجدہانی
 کرتا ہو عدل جس کا دونوں کی پاسبانی
 اور چھوڑو اپنی اپنی دیرینہ قصہ خوانی
 لہر رہی ہے گنگا کھیتوں کو دے لو پانی
 کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

لاہور۔ ۲۹ جون ۱۹۲۹ء

(۵)

خونِ جگر کی چند بُوندیں

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول تپنی ہو تجھ پہ لاشِ جگر گوشتِ بے تول
اسلام کے لہو سے تری پیاس بجھ گئی سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسولؐ
کرتی ہے گی پیشِ شہادتِ حسینؑ کی آزادی حیات کا یہ سرمہ ہی اصول
چڑھ جائے کٹے سر ترانیرے کی نوک پر لیکن یزید یوں کی اطاعت نہ کر قبول

کھتی داستانِ دراز بھی اور دل گداز بھی
لیکن کہاں ہو دل کہ دیا جائے اس کو طول

لاہور ۳۱ مئی ۱۹۳۱ء

(۵۲)

مالا بار

۱۹۳۱ء میں مجھے کوچین - میسور - مالا بار اور مدراس کے بعض دوسرے خطوں کے دو

کا اتفاق ہوا۔ یہ نظم اسی سفر کی یادگار ہے۔

گر عرب کے نقشِ پا کی شوجیوں کی ہے تلاش
و ندھیا چل کو آلا نگ اور نربدا کے پا چل
نارجیتاں میں نخلستانِ بطحا کا سماں
دیکھنا ہی گراں آنکھوں سے تو مالا بار چل
میرپوں کے منہ سے یہ آوازہ مستانہ سن
سطوت کبریٰ کی اے باطل فگن تلوار چل
آنکھ میں پھر جاتیں تصویریں جنین و بد کی
پھر اسی انداز سے ہاں اور بھی اک بار چل
چل رہے ہیں اپنی اپنی چال اپنے زمانے
تو بھی چل بن کر مگر حق کا علم بردار چل

گیتیں اڑتاؤں میں جن کے لہو کی ندیاں
لے کر ان کے واسطے طوبیٰ لہم کے ہار چل

۱۹۳۱ء
کوچین - ۹ - اگست

۱۵ مالا بار کا تعلقہ، ارنا دجھاں انگریزی فوج اور موپلا مجاہدین کے درمیان گھمسان کی لڑائی
ہوئی تھی۔

(۵۳)

انقلاب بنگور

گست ۱۹۳۱ء میں جب میں نے مدراس کا دورہ کیا اور مداس سے بنگور پہنچا تو میرا سیاسی مسلک وہی تھا جو کانگریس کا تھا۔ مولانا ڈاکٹ علی کانگریس سے الگ ہو چکے تھے اور کانگریس کی مخالفت بڑی سخت سے کر رہے تھے۔ یہی مخالفت انہیں بنگور لے گئی جہاں خلافت کے حامیوں کا ایک گروہ ان کے ایما پر کانگریس کے رستے میں ہر طرح کے روڑے اٹکانے پڑے۔ اٹھا ہوا تھا۔ میں جب بنگور گیا اور مقامی کانگریس کے جلسوں میں تقریریں کیں تو ان جلسوں کو درہم برہم کرنے کے لئے سبھی طرح کے جتن کئے گئے مگر سارے داؤں بیکار گئے۔ بنگور کے سخن سرا و سخن سنج حضرات نے فرمائش کی کہ حالات حاضرہ پر کوئی نظم ہوئی چاہئے۔ ان کے ارشاد کا امتثال یوں کیا گیا :-

ہندو کو چھوڑ کر وہ نصاریٰ سے جا ملے دیکھی جو گول میز تو نیت پھسل گئی
 ”انگریز کا زوال گوارا نہیں ہمیں“ جو دل کی بات تھی وہ زباں سے نکل گئی
 گالی کسی کو دی تو گھمایا کسی پہ لٹھ خیرالائم سے خوبی علم و عمل گئی
 کیوں آ رہے ہیں اُن کی چوہلی میں زلزلے اور کیوں زمین پاؤں تلے سے نکل گئی

تنظیم و اتحاد کا سب کھل گیا فریب رسی جو اس فریب کی تھی آج جل گئی
 حق کے مقابلہ میں نہ باطل ٹھہر سکا جب اتفاق سے حق و باطل میں چل گئی
 ٹوٹا ہے وہی دن میں ہمالیہ کا یہ طلسم لٹا اب اور ہی کسی سانچہ میں چل گئی
 آیا اک انقلاب یہاں میرے ساتھ ساتھ
 بنگلور کے خیال کی دُنیا بدل گئی

بنگلور۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

(۵۴)

قصیدہ مغلیہ پورہ کلج کا تصفیہ

مدرس کی مصروفیات سے فارغ ہو کر جب میں لاہور پہنچا تو یہاں کی سیاسی فضا کو مغلیہ پورہ کلج کے واقعہ سے مکدر پایا۔ اس کلج کے مسلمان تلامذہ نے اپنے انگریز پرنسپل کی نفرت بلی برواشت بدسلوکیوں سے تنگ آ کر ہڑتال کر رکھی تھی۔ اس گتھی کو سلجھانے میں مجھے اور میرے رفقاء کو کئی دن لگے۔ آخر پرنسپل نے ہماری شرائط مان لیں اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ یہ نظم اس واقعہ کی یادگار ہے۔

ہوئیں تسلیم بے چوڑ چراچکی سجاتے ہیں شرائط ہم نے عینی پیش کیں حکام کے آگے
کیا وہ کام جب ہم نے خدا خوش ہو جس سے ہوئی دنیا کی گردن خم ہمارے نام کے آگے
سپر انگریز نے ہندوستان میں ڈال دی آخر

بصد زاری خدا کے آخری پیغام کے آگے

لاہور
۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء

۱۔ عنامہ سیاب اکبر آبادی نے اپنے اخبار "تلج" آگرہ میں ازراہ بنیاد مند نوازی میری تاترخ مراجعت اپنے انداز خاص میں یوں رقم فرمائی :-

بخیر گئے لاہور آپ، شکہ و سپاس بغیر آپ کے تھی بریم اہل ذوق و اداس
مراجعت کی یہ تاترخ نذر کرتا ہوں زعمیم و جوش پنجاب و فلتح مدراس

۳۵۰ ہجری

تلج آگرہ - ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء

(۵۵)

کوئٹہ کا زلزلہ

قضا سے اب کسی کالے کو شکوہ ہو نہیں سکتا کہ ہر افتاد پڑتی ہو اسی قسمت کے ہیٹے پر
گرمی ہو ناگہاں قبر خدا کی بے پناہ بجلی نئی تہذیب پر اور اس کے ابھرنے کا ہیٹے پر
مٹا اس مرتبہ بے فرق گورے اور کالے کا پڑی جب زلزلہ کی آسمانی زد کوئٹے پر

کشمیر کمیٹی

باطل کا جنازہ ٹھاٹھی دھوم سے نکلا قائم ہوئی جس دن نئی کشمیر کمیٹی
ناپودہ ہوئے آندلسی اور دمشق دونوں نے بساط اپنی نجاست کی لپیٹی
مرزا کی نبوت کے لئے کھودی گئی قبر گاڑی گئی جس میں یہ خرافات کی بیٹی

حضرت پیر کالون شاہ قدس سرہ العزیز

میں نے پیر شاہ سے پوچھا کہ بیعت آج کل آپ کو کشمیر پیر میں کن صاحب ہے
ہنس کے بولے قادیان سے ہو چکا ہوں کہاں اس لئے مجھ کو عقیدت کالون صاحب ہے

(۵۶)

مہاراجہ ہری سنگھ

فرمانروائے کشمیر سے خطاب

اے جواں سال مہاراجہ کہ بزمِ کشمیر
 لے کہ آراستہ ہے نامہٴ عظمت تیرا
 ہے ہی میری تمنا کہ تشکر کی زباں
 پہنچے ظلم کو فریاد ترے عدل سے ہو
 تو ہو اُس آہِ جہاں سوز کی جیتی تاثیر
 خود رعایا تری حاجب ہوئے ایواں کی
 نہ مسلمان کو برہمن سے رہے کوئی رگلہ
 گر مساجد سے ہو آوازۂ نلطف کا بلند
 گو بختی ہے ترے اخلاق کے افسانوں سے
 بخت و دولت کے چمکتے ہوئے عنوانوں سے
 نہ کبھی عمدہ برا ہو ترے احسانوں سے
 کہ وہ ہو دُور غریبوں کے گریبانوں سے
 جو نکلتی ہے غریبوں کے سیہ خانوں سے
 تاکہ مظلوم ہر اسان نہ ہوں ویرانوں سے
 نہ برہمن کو شکایت ہو مسلمانوں سے
 تو مدارا کا پیام آئے صنم خانوں سے

ہندوؤں سے ہی یقیناً تھے گھر کی رونق تیری طاقت ہے مگر آج مسلمانوں سے
 جن کی دیوانگی سیر وہ صد سالہ کا جوش داد لینے کو ہے آفاق کے فرزانوں سے
 یہ جنوں کیا ہے فقط اُس مے باقی کا سرور جو چھلکتی ہے مساوات کے پیمانوں سے
 وہ مساوات کہ ہے حاصل آزادی فکر نئی تہذیب ہے جو چھپیں لی انسانوں سے
 شرط اسلام ہے تسلیم و رضا صلح و سلام یہ سبق سیکھ لے توحید کے دیوانوں سے
 لطف شاہانہ ترا چھپیں لے گم دل اُن کا تجھ پہ قربانوں سے وہ ہول و جانوں سے

یہ وہ سر بیچنے والے ہیں کہ تو اُن کا ہو
 تو نہ کچھ بھی تجھے اندیشہ ہو بیگانوں سے

لاہور۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء

(۵۷)

شیخ حسام الدین کی زبان نبوی

حکومت کے تدبیر کا دوا لہ یک بیک نکلا ہوتی کیا عاقبت سنجان دہلی کی خمد مندری
 کھلے دروازہ آزادی کا مل کے دونوں پٹ حسام الدین کو جس دن ملا حکم زبان نبوی
 تم آن لاکھوں مسلہ نو کو کس طاقت سے روکو گے تمہارا جیل ہو جن کے لئے میرٹھ کی نیچدی
 ہمارا رشتہ عالمگیر ہو کس کس سے توڑو گے کہیں ہم دہلی ہیں وہ کہیں ہم ہیں ہمدردی
 تعلق قطع ہو سکتا نہیں کشمیر کا ہم سے کہ اس خطہ کو بھی اسلام نسبت ہے دوزندی

حریفوں کی دراندازی کا ڈر کچھ بھی نہیں ہم کو
 ہو پرتاپ اس کی علت پرتاپ اور اس کی خوشی

لاہور - ۸ نومبر ۱۹۳۱ء

(۵۸)

اسلام اور فقط اسلام

عجائبانہ ہر کالے کی تو گون جھمک جاتے لیکن اونچا ہے ہر حال میں سرگورے کا
 ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ خطہ ہر کالوں کا وطن آپ کہتے ہیں کہ کشمیر سے گھر گورے کا
 سرسری سنگھ سمجھ لیں کہ اکھڑنا ہر محال جم گیا آکے یہاں پاؤں اگر گورے کا
 قادیانی جو اٹے پھرتے ہیں اُن کا کیا ہو بال گورے کا نواں گورے کا پر گورے کا
 فقط اسلام ہی دنیا میں ہر طاقت ایسی ناطقہ بند جو کر سکتی ہے ہر گورے کا

اُسی اللہ کے بندے کو مسلمان سمجھو

ڈوگرے کا ہو جسے خوف نہ ڈر گورے کا

لاہور - ۱۳ - نومبر ۱۹۳۱ء

۵۹ صوتِ انجمیر

کان دالو انکر الاصوات ہے صوت الحیجر
 گریہ ڈھینچوں، ڈھینچوں سُنی ہے تو جاؤ قادیان
 عیسیٰ مریم کو گالی قادیان دے لے مگر
 یاد رکھ اُس کی بھی ہیں نانیاں اور وادیاں
 تہذیبِ نو کے ابلقی جلوے
 ملتِ بیضا کے اُجڑے گھر کی رونق ہو گئیں
 اُمتِ پاپا کی تو بر تو ستم ایجا دیاں
 ضبطیوں پر ضبطیاں ہیں قرقیوں پر قرقیاں
 رونقیں تہذیبِ نو کی ہیں یہ مغربِ زادیاں
 ہونے والی ہے بلند آواز دارو و گیر کی
 پھر طرارے بھرنے والی ہے یہ ابلقِ مادیان
 زادگانِ توحید کی آزادی کا راز
 کر دیا خونِ شہادت سے زمیں کو لالہ رنگ
 یوں ہی ملتی آئی ہیں اسلام کو آزادیان

(۶۰)

نظام کا فیض عام

ایر خوش ہنگام اپنے وقت پر آیا کرے
جو تباروں کے کناروں پر بچھا دے فرش سبز
دامن صحرا میں ٹانگے موتیوں کی جھالیں
کو ہساروں اور بیابانوں پہ سے جھوم کر
ایر کا یہ شیوہ اپنا راجھا ہے مگر
جستجو دنیا کو ہے اس ایر وریا بار کی
اٹھ کے ہر موسم میں مہن برسائے سب پر ایک ساتھ
اس کے چھینٹوں سے سیاہ قدس اگر سیرا ہے

فصل گل کے ساتھ ساتھ آ کر برس جایا کرے
ارغواں زاروں میں مروارید برسیا کرے
لالہ و گل سے خیا بانوں کو لہکا کرے
ندیوں کا پاٹ ہر ریلے میں پھیلا کرے
فصل کے جاتے ہی پیاسوں کو نہ ترسیا کرے
جو ستقامت میں بھی ہر کھیتی پہ لہرایا کرے
ابر نیساں کو گہریاری میں شربایا کرے
خاکِ دہلی پر بھی اس کا فیض منڈلایا کرے

۱۱ مسجد اقصیٰ کے لئے ایک لاکھ کا نذرانہ

۱۲ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لئے ایک لاکھ

شیخ کے بے مایہ بڑے کا اگر رکھے خیال برہمن کی زر طلب مٹھی بھی گر مایا کرے
 آب جیواں سے بھرے ساغر سمناس کا اگر ساتھ ہی پونہ کی گاگر کو بھی چھلکا یا کرے
 گر علی گڑھ اُس کی فیاضی سے مالا مال ہو سرے کر پاؤں تک کاشی کو بھی مایا کرے
 شاننی نکتن پہ برسے ہو کے یثرب کی گھٹا اور ہما بھارت سے موتی اپنے رلوایا کرے
 حمتیں الشری شامل ہوں آصف جاہ کو
 اوندیاں میری گن اُس کے رات دن گایا کرے

لاہور۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۲ء

۱۔ شہدائے سمناس کے پیمانہ میں کو ایک لاکھ
 ۲۔ بھنڈا کر انسٹی ٹیوٹ پونا کو ایک لاکھ
 ۳۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو کئی لاکھ
 ۴۔ ہندو یونیورسٹی بنارس کو کئی لاکھ
 ۵۔ ہما بھارت کی مشرح کے لئے ایک لاکھ

(۶۱)

بچھڑی ہوئی دہن کی یاد!

ایک جگر سوختہ شوہر کے قلبی تاثرات

ہاتھ بھی آیا مگر چھین بھی گیا واحسرتا گوہرِ نایابِ دریائے عمیقِ زندگی
گھر کی رونق کو لگائے اُس نے آکر چار چاند دید کے قابل تھا اس گھر کا طریقِ زندگی
شمعِ داغِ دل سے روشن ہو شہستانِ فراق آئی اور تڑپا گئی یادِ رُسیقِ زندگی
کرو یا ساری تمناؤں کو اُس نے غرقِ خوں روز کھلواتا ہوں قصدِ باسیلقِ زندگی

چند ٹکڑے چاند کے باقی ہیں اُس کی یاد گار
ہے انہی کے دم اب ٹھٹھہ رُسیقِ زندگی

چوکے دہرا،

۲۷- نومبر ۱۹۳۳ء

(۶۲)

صبحِ اُمید

کاش باطن کی حقیقت سے بھی واقف ہوتے جن کے ہاتھ آئی ہو ظاہر کی پرستش کی کلید
 جس کا اللہ پر ایمان ہے اُس کو یہ گروہ اٹلہ لیس من اہلک کی سنا تا ہے وعید
 نہیں بختی گئی اُن کو حق و باطل کی تمیز ایک ہیں اُن کی نگاہوں میں سیہ اور سپید
 ان کی نا اہل پرستی کی روش ہے یہ قدیم ان کی مغرب زدگی کا یہ نقاضا ہے جدید
 جب غریبے طنز کو وہ بُرا کہتے ہیں گو بختی ہو مے کانوں میں یہ حافظ کی نوید

صبحِ اُمید کہ در پردہ غیب است نہاں
 آخر آید ز پس پردہ تفتدِ پدید

میکیلا دبرما

۲۹ - نومبر ۱۹۳۳ء

(۶۳)

اقتصاد

از بسکہ فکر ہے مجھے سب کے مفاد کی
 درس اتفاق کا جو دیا شیخ و شاب کو
 شیخ اور برہمن میں بڑھی صلح و آشتی
 بغض و نفاق و کینہ سے سینے مٹتے ہیں پاک
 اب آسمان بھی آنے لگا میری راہ پر
 اسلام کے جلال کا پرچم ہوا بلند
 اب بھی چمک رہا ہے حسین علی کا نام
 اب بگمایوں کا زمانہ نہیں رہا
 تعلیم دے رہا ہوں میں سب کو جہاد کی
 اٹھی گلی گلی سے صمد زندہ باد کی
 برہا میں چل رہی ہے ہوا اتحاد کی
 جبر کاٹنے چلا ہوں میں نخل فساد کی
 پارینہ داستاں ہوئی اُس کے عناد کی
 بستی اُلٹ گئی ہے ثمود اور عاد کی
 اور خاک اُڑ رہی ہے یزید و زیاد کی
 حاجت ہے ایک دوسرے پر اعتماد کی

محکم بنا اسی سے ہے نصیر فرنگ کی
 تو بھی کراستور اساس اقتصاد کی

پی ایچ ایس دیپما،
 ۶ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۶۴)

دیوبند

شاد با شاد شاد زری لے سر زمین دیوبند
 ملت بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند
 ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
 اسم تیرا یا مستی ضرب تیری بے پناہ
 حکمت بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دو چند
 تیری رجعت پر ہزار اقدام و جاں نثار
 دیو استبداد کی گردن ہے انتیری کمند
 تو علم بردار حق ہے حق نگہاں ہے ترا
 قرن اول کی خبر لائی تری الٹی زقت
 ناز کراپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو
 خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
 جان کر دیں گے جو ناموس پیمبر پر فدا
 کر لیا اُن عالمان دینِ قیم نے پسند
 گھر ناپاچا جن کے آگے بارہا تلخی کا ندھج
 حق کے رستہ میں کٹا دیں گے جو اپنا بندہ
 جس طرح جلتے تھے پر قص کرتا ہو پسند
 اس حق سم ہوں کہ اور شہ کہ محمودا حسن
 سب کے دل تھے درو مند اور سب کی فطرتا رجمند

گر مئی ہنگامہ تیری ہو حسین احمد سے آج

جن سے پرچم ہو روایات سلف کا سر بلند

نگون
 ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶۵)

حصارِ قادیان پر اسلام کا ہم

کُفر کا جھنڈا کریں گے آج مرزائی بلند ہم بھی نکلیں ہاتھ میں لے کر علم اسلام کا
 غیب سے کانوں میں پہنچی ہو یہ اُڑتی سی خبر قادیان کے سر پہ پھٹنے کی ہے ہم اسلام کا
 سر چھپاؤں گے کہ صحر جا کر پرستارِ کُفر جب عرب اسلام کا ہے اور عجم اسلام کا
 گلشنِ رنگون میں فصل بہاراں آگئی جھوم کر برسائے آج ابرِ کرم اسلام کا
 دل گواہی دے رہا ہو ایک دن اس دلیں ہیں بھرنے والے ہیں تمام انسان دم اسلام کا
 ایک برما ہی پہ کیا موقوف ہو سارا جہاں سر جھکانے کا جب اٹھے گا قدم اسلام کا

سر کو بیچا اور خریدی اپنے مولا کی رضا
 اس تجارت ہی سے قائم ہو پھر دم اسلام کا

رنگون - ۲۲ - اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶۶)

تہذیب نو کا بت خانہ

پتھر ہا بت خانہ تہذیب نو پر تمیز نسل کا رنگیں چڑھاوا
 تو بڑھ کر شہسوارانِ عرب نے دیا توجید کے گھوڑے کو کاوا
 انہیں میراث دی ہندوؤں کی ہے جاگیران کی برما اور جاوا
 تمہیں تثلیث نے سر پر چڑھایا انہیں اسلام دیتا ہے بڑھاوا
 دھرارہ جائے گا سب مغربی ٹھاٹھ کیا جب لشکرِ مشرق نے دھاوا
 تمہارے ساز و سامان کو کسی دن بہالے جائے گا مکہ کا لاوا
 نگلہ ہم کو ہو کیا ہندو سجھا سے کہ ہے بگڑا ہوا آدے کا آوا

مسلمان نو کفن سر سے لپیٹو

کہ آیا ہے محمدؐ کا بلاوا

زنگون ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

بال جبریلؑ کی جنبش

خامہ پر احمد میں جس وقت رواں ہوتا ہے
عرش والے اُتر آئے ہیں سلامی کے لئے
آپ تکبیر کے نعروں کا اثر کیا جانیں
آئی برملے چمن زار میں شرب کی بہار
جس نے ناموس پیہر پہ کیا جاں کو نشا
کہنہ و جاگر یہ غریبوں کے مایوس نہ ہوں
قادیان ہو کہ ہولا ہو بچہ دونوں سے
شعلہ اٹھتا ہے اگر اس سے الوہیت کا
ہیں خدا ان نصاریٰ یہ ہیں بندے ان کے
بال جبریلؑ کی جنبش کا گماں ہوتا ہے
کہ بلبند آج محمدؐ کا نشاں ہوتا ہے
ان کی اک گونج سے تسخیر جہاں ہوتا ہے
جلوہ اللہ کی قدرت کا عیاں ہوتا ہے
اُس کی عزت کا خدا خود نگراں ہوتا ہے
بے زبانوں کی خدا آپ زباں ہوتا ہے
اس طرف ہوتی ہے اس طرف آں ہوتا ہے
تو بلند اُس سے نبوت کا و صواں ہوتا ہے
وہیں ہوتے ہیں یہ انگریز جہاں ہوتا ہے

بمیر اشعار پلٹ دیتے ہیں کا یا دل کی
اُن میں جب صرف مراد و ربیاں ہوتا ہے

(۶۸)

بادا ولا

ابراہیم اسماعیل بادا رنگون کے ایک مسین تاجر ہیں۔ شہر سے کچھ دور ان کا ایک نفیس بنگلہ ہے جس کی رونق کو ایک دل کشا چمن نے دو بالا کر رکھا ہے۔ اس بنگلہ کا نام ”بادا ولا“ ہے ایک مرتبہ انہوں نے بادا ولا میں میری دعوت کی۔ دعوت کے بعد قوالی ہوئی بعض سخن سنج احباب نے جن میں ہرما کے مشہور قومی کارکن یعقوب گورا بادا پیش پیش تھے فرمائش کی کہ بادا ولا پر کوئی پٹھرتی ہوئی نظم ایسی ہوئی چاہئے جو ہارمونیم پر گائی جاسکے میں نے اسی وقت یہ فرمائش پوری کر دی اور قوال نے ساز کے ساتھ آواز ملا کر اسے اس خوش الحانی سے گایا کہ ساری محفل وجد میں آگئی۔

شیشی ہے ہوا بادا ولا کی	ریشی ہے فضا بادا ولا کی
جدھر دیکھو اُدھر ہیں پھول ہی پھول	زنگیلی ہے قبا بادا ولا کی
سنو گے سبزہ وگل کی زبانی	کہانی دل ربا بادا ولا کی
یہ رندوں کا تقاضا ہو کہ ساتی	مئے باقی پلا بادا ولا کی
نسیم خلد کے آتے ہیں جھونکے	کہ ہونشو و نما بادا ولا کی
مجھے پہلے ہی دن سے آرہی ہے	پسند ایک ایک ادا بادا ولا کی

یہ ہے گلزارِ ابراہیم، رونق

زنگون ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء خداوند ابرٹھا بادا ولا کی

(۶۹)

زیر بادی

ہندوستان سے چولاکھوں مسلمان تجارتی کاروبار، سرکاری ملازمت اور محنت مزدوری کے لئے برما میں جا بسے ہیں ان میں سے اکثر برما کی عورتوں کو حبالہ عقد میں لے آئے ہیں۔ ان شادیوں سے جو اولاد ہوئی وہ زیر بادی کہلاتی ہے۔ زیر بادوں کی تعداد برما میں دولاکھ سے کم نہ ہوگی۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ مسلمانان برما اپنی اس نسل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کی یہ روش اسلام کی راہ میں سنگ گراں بنی ہوئی ہے۔ ذیل کی نظم اسی حقیقت کی شرح ہے۔

گھر مسلمان کے برما کی دُلہن آئے اگر پھیل سکتا ہے یہاں دین ٹہی آسانی سے
لیکن ایسا نہ ہو سسرال میں حصہ نہ ملے اُس کو اسلام کے احساں کی فراوانی سے
میر اس قول کی تصدیق کریں گے علما پوچھ لو جا کے طفیل احمد عثمانی سے
زیر بادی ہیں ہمارے ہی جگر کے ٹکڑے ہم نے پالا ہے جنہیں قوت ایمانی سے

بڑی مشکل ہے یہ لیکن کہ ہماری اولاد

جوڑتی رشتہ سیاست میں ہی برطانی سے

زنگون
۳۱۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

لے ناظم مدرسہ رانڈیریہ مغل سٹریٹ زنگون

نربدا کی لومڑی

کھیل بچوں کا نہیں لکارتا اسلام کو کوئی بگڑا دل یہ کہہ دے بھائی پرمانند سے
 کا سہ سر کا بھی انجام آپ نے سوچا کبھی آپ ٹکرائے تو ہیں توحید کے فرزند سے
 بیچ پہلا ہی پٹارن میں کہ ڈھیلی ہو گئی لالہ کی دھوتی جب الجھی شیخ کے تہ بند سے
 لے کے ڈنڈا ہاتھ میں نکلے عطاء اللہ شا کام جب چلتا نظر آیا نہ وعظ و پند سے
 ہم مسلمان ہیں کچلتے آئے ہیں باطل کا سر ڈرنے والے ہم نہیں ہیں زندا و پارتند سے
 کیا یہی حبِ وطن ہی اگھول کر لائے وہ زہر جب مسلمانوں نے کی اُن کی تو اضعِ قند سے
 بھول جائے گی سب اپنے پیترے ہندو سبھا پڑ گیا پالا اگر اُس کو کسی مہمت سے

دُم دبا کر بھاگ نکلی نربدا کی لومڑی
 شیر نکلا گونج کر جب وا دئی ہلند سے

مسلمان رضا کاروں کا ترانہ

اے مسلمان سارا جہاں ہے ترا
 سب نشانوں سے اُدھانچا نشان ہو ترا
 تُو نے مشرق میں چھینا ہوا پوں کا راج
 تُو نے سارے جہاں سے لیا ہے خراج
 تُو نے آکر عرب میں اُجا لاکیا
 بُت پرستوں کو اللہ والا کیا
 تُو نے نسل اور مکاں کی اٹھادی ہر قید
 سارے اس ابنِ وِہاں کی اٹھادی ہر قید
 ناؤ خطرہ میں ہے نا خدا بن کے آ
 جو نہیں ٹل سکی وہ قصا بن کے آ

ساری دُنیا کا پھر رہنا بن کے آ

اے کہ دیکھا ہے دُنیا کا حال تُو نے

(۷۲)

”معصوم“

مسلمان بچوں کے اہتمام میں رنگون سے ایک رسالہ بزبان اردو نکلتا ہے جس کا نام معصوم ہے۔ بچوں کے اساتذہ کی فرمائش پر نظم ذیل سپرد قلم کی گئی :-

پڑ رہی آج ہی رنگون کے ہر گوشہ میں دھوم
کوئی طبقہ نہ رہا فیضِ ادب سے محروم
بسکہ اخبار نویسی کے ہیں شائق معصوم
ہو اسی نام سے اخبار بھی اُن کا موسوم
اس کے ہر لفظ میں مخفی ہیں شریعت کے رموز
اس کی ہر سطر کا پھیلاؤ ہیں دُنیا کے علوم
اس کا ہر صفحہ یہ لڑکوں کو سبق دیتا ہے
نہ دے ہو نہ دے بوقتِ باطل سے کبھی
نہم کو اللہ نے کونین کی دولت بخشی
کہ مسلمان کا یہ ہی روزِ ازل سے مقصوم
نام بچوں کی زباں پر جو نبیؐ کا آیا
تو لیا فرطِ محبت سے خدا نے منہ چوم
تربیت گرا اسی ماحول میں ان سب کی ہوئی
اور بڑے ہو کے حقیقت ہوئی حق کی معلوم

تو زمانہ سے مشاویں گے یہ باطل کے نشا

کفر ہو جائے گا بیکھنت جہاں سے معدوم

رنگون
۴۔ نومبر ۱۹۳۳ء

ابراہیمبول کا گھر

ابراہیم اسماعیل بادشاہ صاحب کے منگلا "بادادلا" میں ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء والی دعوت کے بعد اگلے ہفتہ میں متعدد احباب کے ساتھ پھر مدعو ہوا۔ ذیل کی نظم اس تقریب کی یادگار ہے

اگر رنگوں نے کیا ہو دوس کا آوری فر بھی تو کھول آنکھ اور کسی دن کیجیے ابراہیم کا گھر بھی
چہر غ کعبہ سے اس کی فضائیں جگمگاتی ہیں ہیں روشن جس سے اس کے نشیمن بھی بام بھی فر بھی
خدا کے اور خدا والوں کے رستہ میں لٹانے کو یہاں مل جائیں گے سیم و طلا بھی محل دگوہر بھی
یہ پہلے دن ابراہیمبول کو ہر شرف حاصل کہ بن جاتا ہو سونا اگر اٹھالیتے ہیں پتھر بھی
مسلمانوں کے سر پر کیوں نہ ہو اللہ کا سایہ کہ ناموس محمد پر کٹا دیتے ہیں وہ سر بھی

نہ پوچھو عالم اس رو داؤد نگین کی دلازی کا
نہ ہو گی ختم لکھے جائیں گے دفتر کے دفتر بھی

رنگوں ۷۷۔ نومبر ۱۹۳۳ء

(۷۴)

سید کشفی شاہ

کل سنا تھا نام کشفی شاہ کا آج دیکھا کام کشفی شاہ کا
 بادۂ توحید سے لبریز ہے کیفیت پرور جام کشفی شاہ کا
 آخری پیغام حق اسلام ہے ہے ہی پیغام کشفی شاہ کا
 دعوت و ارشاد کے حلقوں میں ہو ذکر صبح و شام کشفی شاہ کا

وقف کر دی زندگی دیں کے لئے

نیک ہوا انجام کشفی شاہ کا

زنگون ۸ - نومبر ۱۹۳۳ء

(۷۵)

پیام بنام مسلمانان مہمیو

برما کے سفر کا مجھے دو دفعہ اتفاق ہوا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۳ء میں اور اس کے بعد دوسری بار ۱۹۳۶ء میں۔ پہلے سفر میں چند دن رنگون ٹھہر کر میں نے شمالی برما کی سیاحت کی اور میمیو۔ مانڈے۔ کلو اور متحدہ دوسرے شہروں کا دورہ کیا۔ میمیو برما کا تابستانی صدر مقام ہے۔ اور ایک نہایت ہی دل فریب نہایت گاہ ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ بڑا روشن خیال اور ادب اور ادب کا خصوصیت سے دلدادہ ہے۔ میرے چند روزہ قیام میمیو میں شعر و سخن کی محفلیں گرم رہیں اور رخصت ہوتے وقت احباب کی فرمائش پر میں نے ذیل کا پیغام مسلمانوں کو دیا۔

مجھ سے کہ آپ کا ہوں میں ادنیٰ ترین غلام
سُن لے پیامِ نوحہ کو نین مہمیو
نمختانہ است ابھی تک ہے جوش میں
پینی ہے گر شراب اسی نمختانہ سے پیو
اسلام ہی وہ رستہ ہے سیدھا کہیں ہے
اس راہ میں مرو اور اسی راہ میں پیو
ہے تازنار ملت بیضا کا پیر ہن
اس پیر ہن کو سوزن ایشیا سے پیو

مردوں ہی کے لئے نہیں علم و عمل کی قید
تم پر بھی فرض ہے یہ برابر کا بیبیو

میمیو
۹۔ نومبر ۱۹۳۳ء

(۷۶)

قصر استعمار کا مسالہ

بنا جب قصر استعمار انگریزوں کا دہلی میں
 تو اس میں کام آئیں بن کے چونا ہڈیاں میری
 اگر لکھنا ہوں میں کچھ ہاتھ ہوتے ہیں قلم میرے
 اگر میں بات کرتا ہوں تو کٹتی ہے زباں میری
 تمہیں معلوم بھی کچھ ہے میں کس دنیا میں رہتا ہوں
 عرب ہے آسمان میرا زمیں ہندوستان میری
 میں استبداد کی بستی کو آگ اک دن لگا دوں گا
 مرا نالہ ہے جانسوز آہ ہے آتش فشاں میری
 مسلمان ہوں شباب جاوہاں بخشا گیا مجھ کو
 جواں ہے بخت بھی میرا ہے دولت بھی جواں میری

(۷۷)

یعقوب گورا باوا

یعقوب گورا باوا کا نام پرما میں بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ قومی کاموں میں ہمیشہ
 بٹھم چڑھ کر حصہ لیتے رہتے ہیں۔ سید و فیاض سے انہیں ذوق سخن بھی ارزانی ہوا ہے۔
 شعر کہتے ہیں اور بلا تکلف کہتے ہیں۔ سفر پرما میں برابر میرے ساتھ رہے۔ ایک
 دن مجھ سے نہ بر سبیل شکایت بلکہ بطور مزاح پوچھنے لگے کہ حضرت آپ کی بیاض میرے
 تذکرہ سے کیوں محتر ہے۔ بیاض تو ایسی کی خدمت دوران سفر میں آپ ہی انجام دیتے تھے
 میں نے کہا کسی گوشہ میں یہ دو شعر ٹانگ لیجئے:-

نہیں ڈفرن سے ہیں کم مرتبہ گورا باوا
 پھر کہیں کیوں نہ انہیں مار کوئیں آف آوا
 مہم لوہے کو بنا دیتے تھے داؤد اگر
 تو ہیں یعقوب بھی اس اپنی صدی کے کاوا

مانڈے

۲۱- نومبر ۱۹۳۳ء

(۷۸)

جواہر لال نہرو اور ہندو مہاسبھا

نہیں ہندوؤں آزاد ہو سکتے قیامت تک اگر یونہی رہی ہندو سبھا کی فتنہ انگیزی
 پرمایوں کی دراندازی بکا روٹا کوئی کیا دے جب اپنے کیسے ہوں اپنی آبروریزی
 ادھر ہیں بھائی پرمانند اُدھر ہیں اکثر نیچے وہ تلخی ہیں بکاشن کی تو یہ ہیں مریج کی تیزی
 غلامی جن کی گھٹی میں پڑی ہو چاہتے کب ہیں کہ اٹھے ان کے سر سایہ تہذیب انگریزی
 ہر فرق اتنا ہی پرمانند اور چرچل کی فطرت ہیں وہ نہر ملی یہ تھری وہ شیلنگی یہ چنگیزی
 بگوالا بن کے پلٹتے پھر لندن میں بچو دین مسلمانوں کی ہو سکتی نہیں اسے ہوا خیزی
 غنیمت ہو کہ اپنی وطن کی لالچ رکھنے کو جواہر لال اور ہندو سبھا کی باہم آویزی

سکھائی ہوا دیکے بادلوں کو میر خامہ نے

گہرائی گہرائی گہرائی گہرائی

چوکے دربار ۲۶ - نومبر ۱۹۳۳ء

(۷۹)

زندہ دلانِ مہمیو

اے کہ تجھے بہشت کی روئے زمیں پہ تِلّاش
 آ کہ تجھے دکھاؤں میں بارِخِ جنانِ مہمیو
 نشہ آمدِ نسیمِ نرا دہِ بادۂ طہور
 جنبشِ موجِ سلسبیلِ آبِ روانِ مہمیو
 آبِ دہوا کے مہمیو اپنی نظیرِ آپ ہے
 اپنی مثالِ آپ ہیں خور و کلانِ مہمیو
 دیکھ کر ان کو آنکھ میں مَلّیٰ رُسلِ پھر گیا
 چھین کے دل کو لے گئے دیوِ رانِ مہمیو
 بسکہ مری دُعا شریکِ اُن کے عمل کے ساتھ تھی
 ہو گئے زندہ ابدِ زندہ دلانِ مہمیو

مانڈے
 ۲۷- نومبر ۱۹۳۳ء

(۸۰)

از میموتا بہ مانڈلے

رشتہ ہے یہ میموتا کا پیچ و خم کھاتا ہوا
 چیر کر کھسار کے پہلو کو نکلا آتش را
 کاروان بوجے نکل دوش صبر پر ہے سوار
 دھان کے کھیتوں کی ہر یاد دل نظر میں بس گئی
 ماؤں جی نے اپنے گھر میں لاکے ٹھہرایا ہیں
 رشتہ دیرینہ تھا تو بنو میں بھی کام آگیا
 جو لوازم تھے اخوت کے وہ سب پورے ہوئے
 اک پیالہ چاء کا بھی مل گیا حقہ کے ساتھ
 یا مگر اک سانپ ہے سبزہ میں لہراتا ہوا
 جس نے دی اس کو روانی اس کے گن گاتا ہوا
 گلستانوں کی خیب بانوں کو حرکتا ہوا
 سبز پوش اک شاہدِ رخسار ہے ، ٹھکرتا ہوا
 دل کو دل سے راہ نھنی کیجئے ان کو مل جاتا ہوا
 تھا یہ سوتِ اسلام ہی کے ہاتھ کا کاتا ہوا
 حقہ بھی آہی گیا محفل کو گرانا ہوا
 زندگی کے لطف گونا گوں کو دہرتا ہوا

یہیہو سے ماند لے تک سبزہ و گل کا ہنوز فرش جنت الفردوس کے نقشہ کو شرماتا ہوا
 دیرِ گوتم کے نگار آرا کلس سے کھیل کر سورج آیا دیدہ باطل کو چند صیانتا ہوا
 سامنے نظارہ ہے ایسا ودی کی موج کا چھین کر دل سے قرار و صبر لے جاتا ہوا
 جانے والوں پر فنا کی چیتیاں کو کھول کر آنے والوں کے لئے دورِ بخت لاتا ہوا

و امنِ اسلام کی مانند اپنے پاٹ کو
 ہرنے ریلے کی ہر ٹکر سے پھیلاتا ہوا

مانڈلے

۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء



(۸۱)

کلو

پہنچائیں کچھ اس شان سے کل شام کلو میں تھا سبز و گل تا بہ کلو میرے جلو میں
شیرازہ ملت کو دیا ربط یہاں بھی ہر لمحہ ہوا صرف مرا اس تنگ و دو میں
یہ جانے کو ہے کفر مثالِ خس و خاشاک اسلام کے دریائے پُرا مواج کی رو میں
کثرت پر مسلمان کو کبھی بھی نہ ہوا ناز اس ایک میں جو بات ہی ہرگز نہیں سو میں
کافر ہو چاہتی ہے کفر کی ظلمت اسلام کے خورشیدِ جہاں تاب کی ضو میں
عبرت کی نگاہوں سے عیاں ہے وہ تغیر پہنا ہے جو اسلام کے ہنگامہ نو میں

وہ حلقہ جو تھا زینتِ گوشِ عجم اس کو
اب دیکھ لو پاپائوں کے کان کی لو میں

پیابوے (برما)
۵۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۸۲)

تاریخ رحلت

خان بہادر ولی محمد ایم۔ ایل سی مرحوم

گھٹ گئی رونقِ بزمِ اُس کے گزر جانے سے اُس کے اٹھ جانے سے پھیکا ہوا پنجاب کا نور
ماتنی اُس کے پمائے بھی ہیں اپنوں کی طرح اُس کے غم میں جسے دیکھا نظر آیا رنجور
اُس کے مرنے کے ہیں لنگوں میں گھر کھر جیچے اپنے کاموں سے وہ برما میں ہے گچا شہر
ہے مسلمان وہی تسلیم ہو جس کا آئیں آدمی ہے وہی احسان ہو جس کا دستور

سالِ رحلت میں جب انجام کیا اُس کا تلاش

تو خیر دی مجھے ہاتھ لے کر ہے وہ مغفور
۱۳۵۲ھ

پمنا دبرما،
۱۰۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۸۳)

بسنت

پرتاپ کے بسنت نمبر کے لئے لالہ وزیر چند ایڈیٹر پرتاپ کی فرمائش پر

بسنت لے کے پیام بہار آہی گیا پیامِ رحمت پروردگار آہی گیا

فضائے عجیبے شیخ اور بہمن کے لئے خدا کے لطف و نوازش کا تار آہی گیا

میں اتحاد کا دونوں کو درس دیتا ہوں نہاں پہ ہمد کے یہ راز آشکار آہی گیا

یہ دن بسنت کے بھی کیسے پیارے پیارے ہیں کہ اُن کے غصہ پہ بھی مجھ کو پیار آہی گیا

علی زمانہ سے پرتاپ کو مبارکباد

کہ اُس کے ہاتھ مرا شاہکار آہی گیا

لاہور۔ ۲۰۔ جنوری ۱۹۳۷ء

(۸۴)

حال مست اور مال مست

گر مست اور حال میں ہیں شیخ مسیتا مست اور مال میں ہیں لالہ کشوری
 یہ پھر رہے ہیں پریٹ پہ باندھے ہوئے پتھر تو نہ ان کی ہو پھولی ہوئی کھا کھل کے کچوری
 یہ زردی رخ کے لئے ہیں فاقہ کے محتاج سامان اور سرخ لب کا ہے گلوری
 دھڑی سے بھی خالی ہو اور شیخ کا کیسہ آمادہ اور سرہن کے اگلنے کو تجوری
 زندہ رہے کس طرح کہ پلے نہیں پیسہ پیسہ کی ضرورت ہے مسلمان کو فوری

○ "تلوار کا بیشک ہے دھنی رائے پتھورا

مبداں میں اگر مد مقابل نہ ہو غوری

لاہور۔ ۲۳۔ جنوری ۱۹۳۲ء

زلزلہ بہار

غوغائے اذالزلت الارض بپا ہے پوری ہوئی اللہ کی قدرت کی وعید آج
 ہے لرزہ براند امہ سالہ کی ترائی ہے فرش زمیں درگرو بطش شدید آج
 سستے تھے کہ آنے کو ہے اک روز قیامت ہے دید کے پردہ پہ ہویدا یہ شنید آج
 روتی ہوئی لندن میں نظر آتی ہے مجھ کو رکھے ہوئے سرخاک پہ تہذیب جدید آج
 کالوں کو مبارک ہو کہ گوروں کے گھروں میں بھونچال مساببات کی لایا ہو نوید آج
 نازل ہوئی دونوں پہ برابر کی مصیبت آفت زدہ یکساں ہیں سیہ اور سپید آج
 مظلوم کی فریاد سنی اُس کے خدا نے کٹنے کو ستمگاری ہے جیل و رید آج

گر اب بھی لگے درد کی چوٹ اُن کے جگر پر

ہاتھ آئے انہیں روضہ راحت کی کلید آج

لاہور۔ ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء

(۸۶)

کام کی باتیں

گلمہ اپنوں سے ہی چلتا ہی تراجن پر زور اے مسلمان پرایوں کی شکایات نہ کر
 ربِ کعبہ کے سوا جھمک نہ کسی کے آگے دل سے محو اپنے بندہ گوں کی روایات نہ کر
 مشکلات اپنی اگر پیش ہی کرنی ہیں تجھے تو بجز بارگاہِ تاضیٰ حاجات نہ کر
 علم بے ذوقِ عمل جہل ہی اور وہ بھی بسیط علم کو درگروہِ بدِ خرافات نہ کر
 مدرسہ سے نکل اور دیکھ ہے کیا حال بہار بیٹھ کر یادِ حریری کے مقامات نہ کر
 آسمان سے جو بلا آئی ہے اٹھ کر اُسے ٹال آج کل اس کے سوا اور کوئی بات نہ کر

وہ بٹاتی ہے تراہاتھ تو ہاتھ اُس کا بٹا
 کون کتنا ہے حکومت سے موالات نہ کر

لاہور۔ ۲۶۔ جنوری ۱۹۳۴ء

(۸۷)

سہسرام

اول فروری ۱۹۳۶ء میں جبکہ میں کلکتہ میں مقیم تھا۔ سہسرام کے کچھ نوجوانوں نے مجھے سہسرام چلنے کی دعوت دی۔ ندیم الفرصتی اس دعوت کی قبولیت کو مان آئی۔ اور اس کی تلافی ذیل کے پیغام سے کی گئی جو نوجوانان سہسرام کے نام تھا۔

ہاں اے نبرد پیشہ جوانان سہسرام	سیراب جن کے نوح سے ہی میدان سہسرام
تم نے دیا بہار کو پیغامِ نو بہار	تم تھے عنادِ دل چمنستانِ سہسرام
دُنیا جہاں کے فلسفیوں کے گروہ کو	دیتا تھا درسِ طفلِ دبستانِ سہسرام
تجھیں تم سے برقرارِ روایاتِ شیر شاہ	اور تم بھی تھے ہنر پرستانِ سہسرام
کیا ہو گئی وہ رونقِ عہدِ قدیم آج	کیوں ہو گئی ہے گوشہ نشینِ شانِ سہسرام
کیوں ہنرمیں نظر نہیں آتے قزح بکف	زند ان دُردِ نوشِ خمستانِ سہسرام

نے بھی دُہی ہو ختم بھی دُہی جام بھی دُہی کس سوچ میں پھر گرج ہیں ندان سہسرام
 اٹھو کرو بلبند پھر اسلام کا علم ہاں اے نیر و پیشہ جو انان سہسرام
 سارا بہار زلزلہ کی زد میں آ گیا شامل ہے جس میں کلبہ احزان سہسرام
 نظارہ حشر کا ہے نگاہوں کے سامنے میدانِ رستخیز ہی میدانِ سہسرام
 آئی بلا کو ٹال دیں لے کر خدا کا نام وابتگان گوشہ دامن سہسرام

پنجاب اُن کے ساتھ ہی ہمت سے کام لیں

خود و ان سہسرام و نیرگان سہسرام

یکم فروری ۱۹۳۷ء

(۸۸)

انسان کا پتھر دل

ہلا دیں زلزلے نے مشرق و مغرب کی بنیادیں
ہر اک کشور کے ہر گوشہ میں ہیبت چھا گئی اس کی
گرفت اُس کی جہاں پہا فشا اُس کا جہاں افکن
کہیں سورج کی تھھرائے لگی گرد و دین گرداں پر
نئی دُنیا کا سقفِ رنگار آبا تزلزل میں
”بہشتی مقبرے“ کی ہڈیوں کو بھی ہوئی جنبش
اور اس جنبش کی گیرائی سے سارا قلوبِ لہزا

زمین و آسمان لہزے نشانِ حجتِ حق سے
لہزنا آدمی کے دل کو تھا لیکن کہاں لہزنا!

لاہور ۲۰ - فروری ۱۹۳۲ء

(۸۹)

بڑے باپ کے بیٹے

(اسلامیہ کالج امرتسر کے طلبہ کی فرمائش پر)

جس باپ کے بیٹے ہو بڑا نام ہے اُس کا
کھلتے ہو دنیا میں تم اسلام کے فرزند
گنگا کی طرف بھولے سے بھی رخ نہیں کرتے
زخرم کی طرف جاتے ہیں یثرب کے جگر بند
خیبر شکنی شیدہ ہے شیران خدا کا
بازو ہیں اسی واسطے اُن سب کے تنہا
ایمان کی دولت ہو ادھر اور ہو ادھر کفر
ہے ایک طرف زہر تو ہو ایک طرف قند
وقت آنے لگا ہے کہ ہو اسلام سرفراز
پنجاب میں اوہام کا یہ غلطہ تا چند
ہر شر مر اسقم سے تم پاؤ گے خالی
ریشم میں لگتا نہیں ہیں ٹاٹ کا پیوند
اسلامیہ کالج کے تلامیذ کی خاطر
لکھی گئی یہ نظم دل آرا زہرہ پند
توحید کے بیڑوں نے جلا رکھی ہو اک شمع
اور جمع ہیں گرد اُس کے وہ پڑاؤں کی نند
بندہ ہوں محبت کا گواہ اس پہ ہوسالک
کافی ہو مر واسطے ایک اُس کا شکر خند

مرزا بیوں سے قطع تعلق ہے مرا دین

۴۔ فروری ۱۹۳۷ء امرتسر
اس طائفہ سے کام نہیں رکھتے خرمند

برق استعمار

برق استعمار پھر چکی بلوچستان پر
 نینغ استبداد پھر چڑھنے لگی ہر سان پر
 ایک سر ہے خم ہو رہا کعبہ کے فرمان پر
 یا جھکے لندن کے منشور قضا جریاں پر
 جذبہ بیداری سرحد ہے ایک پیل سفید
 رو نہیں سکتا یہ بے زنجیر باغی تھان پر
 جھوٹا نیلام گھر والی گرو، فصلیں تباہ
 کیسی کیسی آفتیں نازل ہوئیں دہقان پر
 خانہ جنگی، زلزلے، افلاس، قانونِ فرنگ
 ایک سے ہو ایک بھاری آدمی کی جان پر
 تم مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہو وقت آنے تو دو
 بچہ بچہ سر کٹا دے گا نبی کی آن پر
 قید ہو جاتے ہیں سچی بات کہہ کر دانشگان
 ہم مسلمان ہیں نہ آنے دیں گے آنچ ایمان پر
 رشتہ جس نے مجھ سے جوڑا میں بھی اس کا ہو گیا
 رشتہ خط اللہ کے ہیں ثبت اس اعلان پر
 آج ہی آساں ہوئی جاتی ہیں ساری مشکلیں
 علم والوں کا عمل بھی ہوا اگر قرآن پر

ایک دن بامِ ہمالہ پر بھی چمکے گا وہ نور
 جس کے جلوے جگمگاتے تھے کبھی فاران پر

(۹۱)

ہنگامہ کشمیر

ہر طرف ہنگامہ پھر برپا ہے دار و گیر کا ہو رہا ہے پھر ہرازِ خیم کس کشمیر کا
گو بختی ہے پھر فضا زنجیر کی جھنکار سے شور جس میں دب رہا ہے نصرۃ تکبیر کا
ہے خطا اتنی کہ کیوں کرتے ہیں حق اپنا طلب ہیں یہ ساری سختیاں خمیازہ اس تقصیر کا
بادشہ بے مہر ہو اور بے نیاز اس کا وزیر شکوہ کس سے کیجئے پھوٹی ہوئی تقدیر کا

ایک لے دے کہ خدا باقی ہے جس کے عرش پر
حق ہے کچھ کشمیریوں کے نالہ شبگیر کا

لاہور

۹ فروری ۱۹۳۷ء

(۹۲)

انقلاب بلوچستان

ملت کو ہو نوید کہ افغان کی طرح بخشی گئی بلوچ کو بھی زندگی نئی
 آیا ہے انقلاب سوادِ قلات میں یہ موجِ رنگِ رنگ اُدھر بھی چلی گئی
 عبدالعزیز کُرد پر ایوہیوں کو خضر عبدالصمد کی ذات پہ نازاں اُچک زنی
 پھر کر رہے ہیں یادِ شہیوں سے مقابلہ پتھر جنوں نے پیٹ پہ پاندھے کئی کئی
 سرحد کے ذرہ ذرہ میں ہے رنگِ کر بلا تڑپائے سلام سے محفل کو مہجری

دھتال کے خونِ گرم کی تاثیر دیکھتا
 ہے فروری کی فصل میں بھی جلوہ گرمی

لاہور - ۹ - فروری ۱۹۳۲ء

(۹۳)

زلزلہ زدگانِ بہار کی دستگیری کا فلسفہ

بشکل زلزلہ قسربِ خدا ہوا نازل کہ کائنات کمر باندھ لے فنا کے لئے
 غریب گھٹن کو بھی گہیوں کے ساتھ پس دیا ہیں ایک لے ل سے یہ دونوں اس آسیا کے لئے
 خطا شعار نے خمیا زہ جس کا کھینچا ہے مٹی ہی سزا ہوئی تچو یز بے خطا کے لئے
 یہ ضابطہ ہے مکافات کا اور اس کی حد نہیں بنائی گئیں فہم نارسا کے لئے
 ہر ایک شہر میں احباب کو ہر چندہ کی فکر بلا کشان تبہ حال کی بقا کے لئے
 کسی نے چندہ دیا تاکہ خوش گو رہے ہو کیا کسی نے یہ ایشیا و پیسرا کے لئے

سوال یہ ہے کہ کتنے بزرگ ہیں ان میں

کیا یہ کام جنہوں نے فقط خدا کے لئے

لاہور - ۱۱ - فروری ۱۹۳۲ء

(۹۴)

جے یا بھے

اخبار الفضل کا بیان کی اشاعت مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۳۷ء میں ایک تک بند شاعر نے
"غلام احمد کی جے" کے عنوان سے ذیل کی خرافات شائع کی تھی:-

دیکھ طغیانی زلازل پے بہ پے اور قیامت خیز منظر پے بہ پے
قوتِ ادراک باقی ہے تو کہہ اُس جبری اللہ غلام احمد کی جے

نظم ذیل اس خرافات کا جواب ہے:-

سرورِ کونین کے دربار سے رات آیا قاصدِ فرخندہ پے
حجتِ حق کا سراپا تھا یہ پیک مرحلے سارے کئے تھے جس نے طے
سُن کے ذکرِ وِساویاں کہنے لگا یہ خرافاتِ معنعن تا بہ کئے
پڑ نہیں سکتی اب اس طبلہ پہ تھا پ ٹوٹ جانے کو ہے باطل کی یہ سئے
اُن گوپوں کے گلے پڑ جائیں گے وجد میں چرچل کو لائی جن کی سئے

جب سستی میں نے یہ جاں پرور نوید
میں پکارا اٹھا "غلام احمد کی بھے"

(۹۵)

سائیکین مل کا عقد

مجھے بھی امتساب ہے اوب کے اُس مقام سے
 دکن کے تاجدار پر خدا کی لاکھ رحمتیں
 ہوا غم جہاں کا قفل پڑا ہو مسکدہ میں غل
 ٹپک رہی ہیں مستیاں شرابِ جانہ ساز کی
 اگر ہو شکوہ رند کو تو ہو تجھی سے ساقیا
 نہی کی بارگاہ میں صبا یہ جا کے عرض کر
 اگرچہ لغزشیں مری پنہ کی مستحق نہیں
 سنا ہو برق بن کے پھر گئے گی فرق کفر یہ
 جہاں اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہوئی

ملی ہوئی ہے جس کی حدت دم گہ نظام سے
 ہماری سب آنتیں ہیں زندہ جس کے نام سے
 کہ عقد سائیکین مل بندھا ہو دورِ جام سے
 تار و ہند و مصر عراق و نجد و شام سے
 شکست تو بہ کو گاہ نہیں ہے اہتمام سے
 کہ سرگراں ہو آسماں حضور کے غلام سے
 نہیں مرنے امید میں خدا کے لطف عام سے
 وہ تیغ جو کبھی نجل ہوئی نہیں پیام سے
 ہو تجھ کو اس کی جستجو تو پوچھ ابوالکلام سے

یہ نیا زمرہ ہوں صلہ کی آرزو نہیں

کسی کو فکر نام کی مجھے غرض ہے کام سے

وہ بھاگتے ہیں اس طرح مباہلہ کے نام سے
 فرار کفر جس طرح ہو مسجد الحرام سے
 پکار کر یہ کہہ رہا ہے زلزلہ ہمارا
 نہ بچ سکے گا قادیان خدا کے انتقام سے
 مسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں گے کم نہیں
 کتر کے جیب لے گئے پمیری کے نام سے
 سنا بھی تو نے ہم نفس کہ مادیات و عشق کی
 ہوئی ہو جنت اندس کے خنک بد لگام سے
 چٹھی ٹچی کے دوش پر سینگ میں اٹھ گیا
 جناب تل مسیح کا جنازہ دھوم دھام سے

یہ قادیان کیا لڑوں کہ فرصت آج کل نہیں

رکوع سے سجود سے قعود سے قیام سے

لاہور - ۲۱ - فروری ۱۹۳۷ء

(۹۶)

روٹی روٹی روٹی!

ہاتھ میں لے کر سُرخ نشان بچے مڑھے اور جوان
 کرتے پھرتے ہیں اعلان پیٹ کے بھوکے آپہنچے
 آپہنچے بھی آپہنچے ————— پیٹ کے بھوکے آپہنچے

خون جگر کا کھانے والے فاقوں سے مرجانے والے
 ہی ہی ایک اُن کی پہچان پیٹ کے بھوکے آپہنچے
 آپہنچے بھی آپہنچے ————— پیٹ کے بھوکے آپہنچے

سارے کے سارے ہیں بیکار روٹی روٹی کی ہے پُکار
 پر گلیا خطرے میں ایمان پیٹ کے بھوکے آپہنچے
 آپہنچے بھی آپہنچے ————— پیٹ کے بھوکے آپہنچے

کوئی ہوان میں بی لے پاس کوئی ہوان میں پنڈی اس
 کوئی ہوان میں ایم لے خان پیٹ کے بھوکے آ پٹنے
 آ پٹنے بھٹی آ پٹنے پیٹ کے بھوکے آ پٹنے

کب تک بیٹھے صبر کریں اپنی جان پہ جبر کریں
 آخر یہ بھی ہیں انسان پیٹ کے بھوکے آ پٹنے
 آ پٹنے بھٹی آ پٹنے پیٹ کے بھوکے آ پٹنے

آ پٹنچا لاہور میں روس شملہ کی چھائی کا بوس
 ہیں ہی لین کے دربان پیٹ کے بھوکے آ پٹنے
 آ پٹنے بھٹی آ پٹنے پیٹ کے بھوکے آ پٹنے

بھاؤ ہوا ہے بھوک کا تیز سوچ رہے ہیں کیا انگریز
 کیا انہیں ملے اب بھی نہ کا پیٹ کے بھوکے آ پٹنے
 آ پٹنے بھٹی آ پٹنے پیٹ کے بھوکے آ پٹنے

لاہور

۶ مارچ ۱۹۳۷ء

کفن چوروں کے دروازہ پر اقبال کی دستک

لحم خنزیر بھی جانتے ہیں حکیم تر آں
 عربی فلسفہ کا صا د ہے اس فتیے پر
 یہی حکمت ہو کہ دیں کفر کے گھر جانا ہو
 یہی موجب ہے کہ فریاد کی ساری راہیں
 تو گئے برق کے کا ندھے پہ جلیبا اقبال
 جان مضطر کے لئے تھایہ تذلل منظور
 ورنہ اقبال کہاں اور یہ تنگ و دو کیسی
 یہ تنگ و دو تو ہے اُن کے لئے حق مسک
 خود وہ کہتا ہے کہ یہ مجلس اقوام ہے کیا
 تم ازیں پیش نہ دائم کہ کفن دزدے چند
 بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

لاہور۔ ۷۔ مارچ ۱۹۳۷ء

(۹۸)

اطالوی حسینہ

اے کشورِ اطلالیہ کے باغ کی بہار لاہور کا دامن ہے ترے فیض سے چمن
 پیغمبرِ جمال تری دل رُبا ادا پروردگارِ عشق تما چلبلا چلن
 اُلجھے ہوئے ہیں دل تری زلفِ سیاہیں ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سخلن
 پروردہٴ قسوں ہے تری آنکھ کا خمار آور وہ جنوں ہے تری پوئے پیر من
 پیما نہ نشاط تری ساقِ صندلی بیجا نہ سرور تما مرضی بدن
 رونق ہی ہوٹلوں کی ترا حُسن بے حجاب جس پہ فدا ہے شیخِ ذلیل و بے برہمن
 جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی سب نشہِ نبوتِ نطلی ہوا ہرن

میں بھی ہوں تیری چشمِ پافسوں کا مغتر

جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن

لاہور۔ ۸۔ مارچ ۱۹۳۲ء

(۹۹)

ذوقِ ادب

شریعت کے نگہیاں پا بجولاں ہوتے جاتے ہیں ۛ
 مسلمانوں کی آزادی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
 ۛ پرستارِ ان خاکِ کعبہ بے تابا نہ بٹھ بٹھ کر
 رسول اللہ کی عزت پہ قرباں ہوتے جاتے ہیں ۛ
 شہیدانِ وطن کے خون کے عناب گوں چھینٹے
 ہماری داستاں کا زیبِ عنوان ہوتے جاتے ہیں
 ہٹوا ہی چاہتا ہے پاک استبداد کا قصہ
 کہ چاک اپنے گریباں تا بہ داماں ہوتے جاتے ہیں
 طلسمِ قیصریت توڑنے والے نکل آئے
 ستم کیشانِ عالمِ خس بدنداں ہوتے جاتے ہیں

- نکلتا جا رہا ہے خوفِ غیر اللہ کا دل سے
- حرم کے تاکنے والے ہر اسماں ہوتے جاتے ہیں
- پڑھی ہے کھلبلیِ مغرب میں یہ برقی خبر سن کر
- کہ مشرق کے مسلمان پھر مسلمان ہوتے جاتے ہیں
- بلی کہہ کر جسے کشمیر کی مٹی نے باندھا تھا
- خدا سے استوار اب پھر وہ پیاں ہوتے جاتے ہیں
- بلوچ اس وقت اگر ہیں قید کل آزاد بھی ہوں گے
- ہوا کیا اُن سے گر آباد زنداں ہوتے جاتے ہیں
- نہیں تخصیصِ عہد اس میں محمد کے غلام اب بھی
- سکندر بنتے جاتے ہیں سلیمان ہوتے جاتے ہیں
- ادب کا ذوق ہے جن کو مرے اشعار سن کر
- سخنور بنتے جاتے ہیں سخنِ خدا ہوتے جاتے ہیں

لاہور۔ ۱۰۔ مارچ ۱۹۳۴ء

(۱۰۰)

چونڈہ

انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے سالانہ جلسہ کی تقریب پر

کیا ہے ابر نے گلیوں میں پابگل ہم کو ہمارے دیکھنے آئے تھے ہم چونڈہ کی
بٹھائے جائیں گے جلسہ میں خاکسار کہا نہیں جب کئی دن سے ہو غم چونڈہ کی
اگر رہا یہی یاروں کا شیوہ ایشار تو رونقیں نہ کبھی ہوں گی کم چونڈہ کی
نہ آریہ ہی نظر آئیں گے نہ مرزائی اگر علم ہوئی تیغ دو دم چونڈہ کی
یہاں کا تحفہ سوا اس کے اور کیا ہوگا میں سامنے لے کے چلا ہوں حلیم چونڈہ کی
علی الصباح ملی مجھ کو قادیاں والی فضائیں ہو گئیں رشک ارم چونڈہ کی

خدا کرے کہ بجز اس کی آستان کے کبھی

کسی کے آگے نہ گردن ہو غم چونڈہ کی

۱۹۳۲ء
چونڈہ ۱۱ مارچ

۱۰ حاجی سرجم بخش جنہوں نے میری ایک نعت سے متاثر ہو کر انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ کو دوسو

روپے دے دیے چونڈہ سے دو میل پر ایک گاؤں کا نام۔

اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشیٰ فی النوم کی بھی خبر ہے زمانہ کے اے بے خبر فیلسوف
 ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے جہاں چل کے سوتے ہیں آئی ہیں روفو
 دبستاں میں جانا نہیں چاہتے ہو تو پہنچو شبستاں میں اے بے وقوف
 بہار آ رہی ہے خزاں جا رہی ہے ہنسو کھلکھلا کر و مشقی شگوف
 کرشن اور خورشید کیا اس کو سمجھیں تمہیں داد دو اس کی عبدالرؤف

جب اوقات موجود ہوتے قادیاں کی

کہاں مر رہی ہو نفو اور روفو

لاہور - ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء

(۱۰۲)

ہوٹل سبیل کی رونقِ عربیاں

عشاق شہر کا ہٹے زمیندار سے سوال ہوٹل سبیل کی رونقِ عربیاں کہاں گئی
 اس کے جلو میں جاں گئی ایماں کے ستارے کیا کیا نہ تھا چلے کے وہ جاں جہاں گئی
 خوفِ خدا سے پاک دلوں سے نکل گیا آنکھوں سے شرمِ سرور کوں بکواں گئی
 بن کر خروشِ حلقہٴ رندانِ لم نیل لے کر گئی وہ حشر کا ساماں جہاں گئی
 روم سے ڈھل کے برقی کے سانچے میں آئی تھی اب کس حیرم ناز میں وہ جاں جہاں گئی

یہ چلیں سنی تو زمیندار نے کہا

اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیان گئی

لاہور
 ۱۵ مارچ ۱۹۳۷ء

(۱۰۳)

فریاد اور اس کا اثر

جو ہو نہ سکا تھا کسی تقریر سے پیدا وہ جوش ہوا غرہ تکبیر سے پیدا
 فریاد اثر سے کبھی خالی نہ رہے گی ہوگا یہ اثر نالہ شب گیر سے پیدا
 بنیاد ہلا دینے کو ہے قصر جفا کی وہ شور جو زنداں میں ہے زنجیر سے پیدا
 کشمیر میں اسلام کا ہر عقدہ ہوا ہے برطانیہ کی زلفِ گرہ گیر سے پیدا
 سن لو گئے کسی دن یہ شہیدوں کی زباں سے آزادی دہلی ہوئی کشمیر سے پیدا
 تلوار پہ قبضہ خلفا ہی کا نہیں تھا پایا بھی ہوئے ہیں دمِ شمشیر سے پیدا
 کہہ دے کوئی اُن سے کہ ہیں ہوں ادہ توحید تقدیر ہوئی ہے مری تدبیر سے پیدا
 دل پر اتر آئے ہیں کبھی مٹ نہ سکیں گے
 جو نقش ہوئے ہیں مری تحریر سے پیدا

لاہور۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۲ء

(۱۰۴)

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

وطن کا خون ناحق جب بہایا مارشل لانے
 تو سُرخِ اُس لہو کی بن گئی عنوانِ امرت سر
 پکڑ کر لے گئے زنداں میں سیف الدین کچلو کو
 فرنگستان کی مٹھی میں آئی جانِ امرت سر
 اُسے اُس کے خدا نے فطرتِ آزاد بخشی ہے
 دو بالا ہو گئی جس کی بدولت شانِ امرت سر
 سنا ہے جب اسیری سے رہا ہو کر وہ آئے گا
 کریں گے دیدہ و دل فرش راہ اعیانِ امرت سر
 جو اُس کی آمد آمد کو گل افشانی کی حاجت ہو
 تو خالی لالہ و گل سے نہیں دامنِ امرت سر
 اگر کرنا ہے استقبال اس آزادی کے پتیلے کا
 تو اپنا فرض پہچانیں مسلمانانِ امرت سر

پھر ازاں نمرخ ہو جانے کو ہے اب سرفروشی کا
 چمک جانے کو پھر کچھ دن میں ہے دکانِ امرت سر
 یہ دعوئے سرفروشانِ وطن کا کس قدر سچ ہے
 نہیں مارا گیا اس وقت تک میدانِ امرت سر
 مسلمانوں کے کس بل میں نہ فرق آیا نہ آئے گا
 سلامت حشر تک یارب ہے ایمانِ امرت سر
 کرشمہ اس کو میرے خامۂ گلِ ریزہ کا سمجھو
 ہے خارستانِ امرت سر بہارستانِ امرت سر
 مری اس نظم کو فرمائشی ہرگز نہ کہئے گا
 یہ فرمائش نہیں تھی بلکہ تھا فرمانِ امرت سر

۱۶۔ مارچ ۱۹۳۷ء

(۱۰۵)

عبید اللہ خاں

حکومت سے تقاضا ہی وطن کا رہا کر دو عبید اللہ خاں کو
 یہی خواہش ہے شیخ و برہمن کی یہی منظور ہے ہندوستان کو
 اگر خوفِ خدا کچھ بھی ہے دل میں تو چھوڑو اس اسپر نیچاں کو
 تو انائی حکومت کی مسلم کچل سکتی ہے جو ہر ناتواں کو
 وہ استبداد کی سوزن سے بیشک پلوں میں چھید سکتی ہے زبان کو
 جلال اُس کا مگر رٹکے گا کس طرح کسی بیکس کے شورِ الاماں کو
 وہ دل کے کان کھولے اور سن لے یہ قدرتِ ضعیف میں بھی ہر فغاں کو
 ”کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو“

لاہور ۱۷ مارچ ۱۹۳۷ء

(۱۰۶)

حسن آباد بیاس!

آتی ہیں جب سے موٹریں رسم حجاب اٹھ گئی
 شرع کی قید ہو کہ صرا نکھ کی شرم ہو کہا
 رنگے بو نہیں مگر گلکدہ ف رنگ ہیں
 جلوہ گہ بیاس کو لگ گئے چار چار چاند
 دل زدگان بے بصر جن سے لگا ہے ہر دل
 آپ کو کچھ خبر بھی ہو کون ہیں یہ گورنسیں
 اب وہ پسوہ والیاں نہ رہے وہ اُن کی ڈولیاں
 بول رہی ہیں مٹلیں کن چمنوں کی بولیاں
 جن سے ہماری مائیں لائی ہیں بھر کے جھولیاں
 بھیج رہا ہے قادیان ماہ و شوں کی ڈولیاں
 حُر کی بچیاں نہیں سانپ کی ہیں سٹپولیاں
 دیکھنے کو ہیں اس بھری چکھنے میں ہیں نہ بولیاں

اُن کو بھی مُنہ بسور کر آج یہ ماننا پڑا

ہیں یہ اطالوی مسیں زہر کی میٹھی گولیاں

لاہور۔ ۱۸۔ مارچ ۱۹۳۲ء

خواجہ حسن نظامی!

صوفی بھی ہیں رئیس بھی ہیں اور ملنگ بھی
سہرگرمیاں سب ان کی ہیں مذہب کے نام پر
وہ کامیاب اگر ہیں تو اس کا یہ بھید ہے
دل بستگی ہے مگر انہیں سازِ حجاز سے
ہوتے ادھر ہیں رین بسیر میں چلے کش
کرتے ہیں سیٹھی باتوں سے پتھر دلوں کو موم
حلیہ رقم کیا تو پھکاری سلوچنا
اور جانتے ہیں خواجہ تجارت کے ڈھنگ بھی
جن میں کہیں کہیں ہو سیاست کا رنگ بھی
وہیل کے ساتھ اُٹاتے ہیں دین کا پتنگ بھی
بجٹا ہوا ان کے گھر میں طریقت کا چنگ بھی
رکھتے ادھر ہیں رن میں غزا کی اُمنگ بھی
کافر کے گھر لگاتے ہیں جا کر سُرنگ بھی
ترکش میں خواجہ کے ہیں ادب کے خدنگ بھی

ہندوستان مان لے اپنا امام انہیں
گر چند روز کا ٹپیں قیدِ فرنگ بھی

لاہور ۱۹۰۰ مارچ ۱۹۳۲ء

(۱۰۸)

”شیطانِ حکومت کے ساتھ

گاندھی جی کا موذبانہ تعاون

پرستارِ ان آزادی کا قصہ	نہیں تو نے سُناب تک تو اب سُن
ادب کا بھاؤ سستا ہو رہا ہے	حکومت کے گئے جانے لگے گُن
کٹی اک عمر جس کو کوسنے میں	اُسی شیطان کے ساتھ اب ہے تعاون
سمجھتے تھے جسے گاندھی مہاپاپ	اُسی کو آج کہتے ہیں مہاپن
یہ فرماتا ہے گاندھی جی کا چرخہ	وفاداری کا کھدر آج سے بُن
سُنی سا برتنی کی راگ مالا	تو کاشی نے بھی جھٹ جھٹیر مٹی نہیں
سُنی تھی کس نے ان سانگیوں کی	یہ روئے دل نہ یہیں ہیں پیتل نہ
مقدور کا پلٹ سنا دیکھتا جا	کہا اللہ کی قدرت نے جب کُن

معاً اسلام کے دانتوں کے تنکے بعدِ غظیم گاندھی نے لئے چُن
 کیا کرتی تھی جس پر کانگریس ناز ہوا کیا اُس تدبیر کا توازن
 کہاں ہو آج اُس کا وہ تفاخر کہ صرے آج اُس کا وہ تراعن
 کہا جاتا انہیں دشمنِ وطن کا دکھاتے گریسماں یہ تلون
 مگر جو کچھ کریں گاندھی روا ہے
 کہ ہر فعل آپ کا فعلِ خدا ہے

لاہور

۲۱۔ مارچ ۱۹۳۴ء



مجاہدین بلوچستان

مردان مجاہد ہیں گردان بلوچستان
جس وقت سے قائم نے کاڑا ہو یہاں جھنڈا
کیا لائیں گے خاطر میں خم خانہ لندن کو
خونِ رگ بطحا سے پہنچا جو یہاں بہہ کر
ہیں اُس کے زعمیوں میں گرد اور اچاٹ لائی
آزادی کامل پر حق ہے بدویت کا
وہ وقت بھی آتا ہو دیکھو گے ان آنکھوں سے
اسلام کی عزت پر سوجان سے قرباں ہو

دیتے نہیں باطل سے شیران بلوچستان
لغزش میں نہیں آیا ایمان بلوچستان
مستے شرب ہیں رندان بلوچستان
گلزننگ ابھی تک ہیں میدان بلوچستان
وہ شان بلوچستان یہ آن بلوچستان
اور یہ بدویت ہے سامان بلوچستان
دارا و سکت در کو دربان بلوچستان
بلت کو نہ بھولے گا احسان بلوچستان

ہو ذوق سخن جن کو شن کر اسے کہہ دیں گے
یہ نظم مرصع کھنقی شایان بلوچستان !

۵ نومبر ۲۲ - مارچ ۱۹۳۲ء

(۱۱۰)

روزنامہ آزاد

بیٹے کو رواہے کہ پھرے در بدر آزاد
ہم نے تو اسے پابگل اول ہی سے دیکھا
ہر فقرہ کی ہر سطر ہے اغراض کی پابند
تم نے کبھی اس نکتہ پہ بھی غور کیا ہے
اغیار بھی کہتے ہیں کہ ہوتا نہ کبھی ختم
حق کی اسے تائید ہو کس طرح بیشتر
دیتا ہے خدا اجر اسی مردِ خدا کو
”تلوار حکومت کی لٹکتی رہی سر پر
پچیس برس کم نہیں ہوتے مگر ان میں
یارب نہ روارکھ کہ ہو مادر پدر آزاد
کیوں سرو کو لکھتے ہیں حقیقت نگار آزاد
مکتوب گرامی کا ہے عنوان مگر ”آزاد“
آتا نہیں بازار میں کیوں اب نظر آزاد“
دیتا نہ ”زمیندار“ کو دھوکا اگر ”آزاد“
جب حق کے حریفوں سے ہو شیر شکر آزاد“
سو داز رویم سے جس کا ہے سر آزاد
اس پر بھی ”زمیندار“ رہا عمر بھر آزاد
ہم نے اسے دیکھا ہوا دھرقیدادھر آزاد

اس نام کے اخبار کا چلنا نہیں آساں
لکھے نہ کبھی نام کوئی بھول کر آزاد“

(۱۱۱)

سازِ حجاز

میری چہیں کی سجدہ گاہ کفر کا آستانہ ہو تیرے نیاز مند کا حشر یہ اے خدا نہ ہو
 تُو نہ سُنے تو اُو رکون میری پکار کو سُنے جا کے پناہ لوں کہاں تُو ہی اگر مرانہ ہو
 شامل حال ہو اگر فضل ترا تہ شوق سے بر سرِ جنگ ہوزیں بر سرِ کس زمانہ ہو
 وضع کا پاس ہی یہی جبر کی بارگاہ میں بھی فرق نہ آئے آن میں اور وہ موجدانہ ہو
 غیر کے سامنے کروں دستِ سوال کیوں دراز میرے لئے کھلا ہوا غیب کا جب خزانہ ہو
 چاکے ہیں اُس جگہ ہوں نس میں اُن فضا میں لوں دینِ قویم کا علم جس میں ٹھہکا ہوا نہ ہو

عید کا جشن ہی پیا شرطِ نشاط ہے یہی
 سازِ حجاز کا چھڑے اور یہ مرا ترانہ ہو

لاہور - ۲۲ - مارچ ۱۹۳۲ء

(۱۱۲)

مردِ مومن کی سرشت

اگر چندہ کی حاجت ہو تو کرد عویٰ سالت کا
سنا ہو قادیان میں بانسری بھتی ہو گول کی
یہ آساں ہو کہ بدلے جو ن اور بچھو بنے لیکن
مجدد الف ثانی سے غلام احمد کو کیا بت
اگر مکہ سے بھی کرتا وہ ڈھنچوں ڈھنچوں موائے
برادرِ خواندگی کی شرط اگر ہو میرزا بیت
سرشتِ مردِ مومن کا بدلنا غیر ممکن ہے
وطن کے پوجنے والو تعلق نوع انساں کا

یغیر اسٹھونگ کے چندہ دیتا ہو نہیں سکتا
مگر ہر بانسری والا کہتیا ہو نہیں سکتا
کبھی بھی شہد کی مکھی تلتیا ہو نہیں سکتا
شری کتنا بھی اونچا ہو ثریا ہو نہیں سکتا
یہ طاہرے خریسے گویا ہو نہیں سکتا
قیامت تک بھی ہم سے تو یہ بھیا ہو نہیں سکتا
چنبیلی کا یہ پودا بھٹ کٹیا ہو نہیں سکتا
محبت کا سمندر ہے تلتیا ہو نہیں سکتا

۵ جسے اسلام کی حرمت پہ کٹ مرنا نہ آتا ہو

مسلمانوں کے بیڑے کا کھوٹا ہو نہیں سکتا

لاہور - ۲۷ - مارچ ۱۹۳۷ء

(۳۱)

وادیِ حبلِ

گاتے بھٹے یہ نغمہ دوپیلی سے چلے ہم اسلام سے بے گرمی ہنگامہ عالم
ہرگز نہ جھکے گا کبھی توحید کا پرچم گا تو بھی یہی زمرہ اور ہو یہی سرگم

اے وادیِ حبلِ

میدانِ ترے شاداب سمن بو ترے ٹیلے چشمتے ترے شفاف چمن تیرے رنگیلے
کھیتی تری سرسبز ثمر تیرے رسیلے رونق ترے باغوں کی خزاں کرنے سکی کم

اے وادیِ حبلِ

انساں ہیں تہن تو سرشت اُن کی وفا خیز توں ہیں اگر تیر تو برق اُن کی ہے مہینز
قابلِ تری اس صولت و سطوت پہ ہیں لگنیر یہ صولت و سطوت ہے تو انگریز کو کیا غم

اے وادیِ حبلِ

یونان کے ہنگامہ کو غزنی کے شغب کو محمود کے غصہ کو سکندر کے غضب کو
موجیں تری ندی کی بہا لے لیں سب کو اب کس کی تباہی کے ارادے ہیں مصمم

لاہور۔ ۳۰۔ مارچ ۱۹۳۷ء اے وادیِ حبلِ

(۱۱۴)

دعوت و ارشاد

ہاتھ استعمار کا شل ہو رہا ہے ہر طرف ساری دنیا کے غلام آزاد ہو جانے لگے
 دھجیاں تہذیبِ مغرب کی نضائیں اُڑھیں یہ قبا لے زائد المیعا دہو جانے لگے
 زبردستوں نے اُدھر فریاد کی اللہ سے زبردست آزار اُدھر ریا دہو جانے لگے
 کوئی دن جاتا ہے دے گا یہ جبر خود بالفور پھر فلسطین میں عرب آباد ہو جانے لگے
 دینِ قیم بن گیا باز چپڑا ہل ہوا سو بسو مذہب نئے ایجاد ہو جانے لگے
 مُنکر ختم نبوت ہو کے اہلِ قادیان اپنے وقتوں کے ثمود و عاد ہو جانے لگے
 کالجوں میں پڑھ کے انگریزی ہمارے بچوں رفتہ رفتہ مائل الحاد ہو جانے لگے
 شرع کی جگہ فی بھی مشکل نہ کر سکتا ہو صل کیوں خفا شاگرد سے اُستاد ہو جانے لگے

○ کاش میں سن لوں کہ علم دیں کے حلقے جا بجا

حلقہ ہائے دعوت و ارشاد ہو جانے لگے

لاہور
 ۵۔ اپریل ۱۹۳۲ء

(۱۱۵)

الکاسب حبیب اللہ

سر پایہ نے محنت سے یہ کہا اس شور و شغب سے کان نہ کھا
 تو کچھ بھی کرے ہوتا ہے وہی جو ہم نے جی میں بچا رہا ہے
 طوفاں کے تھپیڑے ایک طرف موجوں کے ٹھپیڑے ایک طرف
 منجھڑھار میں پڑ گئی ناؤ تری اور کوسوں دور کٹ رہا ہے
 تیرے لئے ہو خون ناب جگر اور میرے لئے ہے لقمہ تر
 تقدیر کی انگلی اٹھ اٹھ کر کرتی یہی روزاں رہا ہے
 جس مٹی والی حویلی میں بسنے کی مجھے توفیق ملی
 ہڈی تری اُس کا چونا ہے تیرا لہو اُس کا گارا ہے
 جو سوکھے ٹکڑے ہیں تجھے دُور کھا کر انہیں سقمت کو نہ رو
 نیو ہڑامرے آگے گردن کو اور اس کے سوا کیا چاہا ہے

سرمایہ نے پُوں جب دُون کی لی محنت نے چمک کر اُس سے کہا
 اس وقت تو بیشک گردش میں ہم فاقہ کشوں کا ستارا ہے
 لیکن تجھے اس کی بھی ہے خبر تو نے نہ سنا اب تک ہو تو سن
 تقدیر پلٹتی رہتی ہے تفتدیر کا رنگ نیا را ہے
 جس ٹوہلتی پھرتی چھاؤں کو تو اپنا ہی اجاڑا سمجھا ہے
 آج اس پہ اگر قبضہ ہے تو راکل دعویٰ اس پہ ہمارا ہے
 اسلام نے جب یہ بحث سنی سرمایہ کو ڈانٹا اور کہا
 اُلٹے گا وہ اک دن ٹاٹ ترانہ زور خدا کا پیا را ہے

لاہور

۷۔ اپریل ۱۹۳۷ء

(۱۱۶)

گاندھی جی کی پسلی

کیا پٹنہ سے انصاری نے اعلان کیا غائب ہو گئی گاندھی کی پسلی
نظر کا انتخاب اُن کو مبارک اُسی کی آج سے پھر کئے گی پسلی

کونسلوں کے سچا بری

گھٹا اب کانگریس کی چھٹ ہے ہی ہر اسے جتنا برسنا تھا برس لی
ہو منظور جب قسط اس ابیض تو لالہ جی نے بھی دھوئی اُس لی

مسلمانوں کی عزیمت

خدا کا شکر ہے اب تک ہیں قائم مسلمان کی خصوصیات نسلی
کفن سر سے لپیٹا غازیوں نے کمر آزاد ہو جانے پہ کس لی

لاہور - ۱۱ - اپریل ۱۹۳۴ء

ارمغانِ قادیاں!

نم کو گر منظور ہے سیرِ جہانِ قادیاں
جی کو بہلاؤ گے کیونکر گرنے لوگے یہ کتاب
اس ٹجھارت کو نہ بوجھا آج تک کئی ادیب
میسر ہی خامہ کی رنگینی تھی جس کے فیض سے
میں نے دی اس کو لگام اور ہو گیا اس سپہ
کس طرح ممکن ہے دل پر ہو کسی کو احتیاء
مجھ سے پوچھو کیوں فدا ہو قادیاں کشمیر پر
جو بجاور ہیں بہشتی مقبرہ کے آج کل
صرف غائبِ سخنِ عفا اور سلاستِ ناپدید
آگِ برہنہ سے نہ یہ ہو گا کہ ناپائیدار
لوگ حیراں تھے کہ جب پھیکا ہو مکیوانِ افس
جو فردوسی کے لئے گندمِ نمائی شرط تھی
کیا سلوک ان سے روا رکھتے ہیں منکر اور کیر

اے مسلمانو! خریدو ارمغانِ قادیاں
کیونکہ مہیٹ جانے کو ہونا نام و نشانِ قادیاں
میں نے ہی آخر کو حل کی چستانِ قادیاں
ہو گئی سننے کے قابل داستانِ قادیاں
ورنہ کس کو مانتی تھی مادیانِ قادیاں
جب ہوں دل کے چھیننے والے بتانِ قادیاں
مجھ سے بڑھ کر کون ہو گا راز دانِ قادیاں
بیچتے پھرتے ہیں گھر گھر استخوانِ قادیاں
ان سب جزا سے مرکب ہو زبانِ قادیاں
یہ کہتا ہے شاہکارِ شاعرانِ قادیاں
ہو گئی پھر اتنی اُونچی کیوں دکانِ قادیاں
تھا بڑا ہی کائنیاں بازارِ گمانِ قادیاں
قبر میں خود دیکھ لیں گے منکرانِ قادیاں

(۱۸)

بیساکھی

زبان حال سے کہتی ہے آج بیساکھی
 کہ میرے بل پہ نہ ہوگا کبھی دھن آزاد
 کھڑے نہ ہوں گے وہ اپنے ہی پاؤں پر چنک
 محال ہے کہ ہوش شیخ اور بہن آزاد
 یہی نتیجہ نکلنا تھا دھن کی پوجا کا
 کہ ہوسکا نہ تن آزاد اور نہ من آزاد
 یہ کیا غضب ہے کہ ہندوستان غلام ہے
 مگر ہو دیکھتے ہی دیکھتے ختن آزاد
 سری کرشن نے گاندھی سے خواب میں یہ کہا
 کریں گے دیس کو مجھ جیسے تیغ زن آزاد

مؤدبانہ موالات نے جواب دیا

ہمیں کرے گا ہمارا ولنکڈن آزاد

۱۶-۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء

(۱۱۹)

نئے نئے خمستان

اور

نئے نئے پیرمغاں

کچھ ایسے مفتیان دیں بھی ہیں جن کا یہ فتوے ہے ۛ
 کہ گاندھی ہی کھرے کھوٹے کے ہیں پچاننے والے
 شراب آئے گی لندن سے تو ختم کے ٹم لٹھا دیں گے
 انہیں اس دور کا پیرمغاں گرداننے والے
 ریکل کمریل سے یاروں نے لی ہے راہ کو نسل کی
 ملیں گے سینکڑوں خاک اس گلی کی چھاننے والے

بجز دو چار تقریروں کے رکھا ہی پیارا کیپ ہے
 اور اس کو جانتے ہیں کونساں کے جاننے والے
 نہ مسجد ہی میں نور ان کا نہ کلج ہی میں شور ان کا
 چھپے کس گوشہ میں جا کر خدا کے ماننے والے
 کہاں ہیں آنے والے باندھ کر تیغ و کفن رن میں
 رکھ رہیں برچھپیوں کے آگے سینے تاننے والے
 اگر ہندوستان میں دین کی حرمت پہ حرف آیا
 تو اس پر کٹ مریں گے ہم یہ جی میں ٹھلنے والے

لاہور
 ۲۱-۱ اپریل ۱۹۳۲ء

(۱۲۰)

سرکارِ دوعالم کا دربار

وہ سفارش کر رہے ہیں دین کی بچہ نکال
 مُنکر ختم نبوت ہو رہا ہے قادیان
 کہہ دو مرزا سے کہ خاک کچلے سکتی نہیں
 کائنات آنگن ہو اس کی اور ہو چھپتیں
 اس کو ڈھا کر دوسرا گھر شوق سے بنوا مگر
 سورج اُس کا آئینہ ہو چاند اُس کی شمع ہو
 مجھ کو دربارِ رسول اللہ میں جانا ہو آج
 گوشہ دل سے کوئی چلتا ہوا جاؤ دکھا
 چاک ہوائے سینہ مسلم بیانِ خدا وناں

میں گزارش کر رہا ہوں کفر ہی کی کرنکال
 آگیا وقتِ جہاد ایمان کا خیر نکال
 اپنے دل سے یہ تمٹلے جنوں پروردگار
 تو بھی کوئی گھر نکال اس سے مگر بہتر نکال
 ابنِ آدم سے کوئی معمار بھی بڑھ کر نکال
 تو بھی اک گھر کے یوں روشن ہوں یا مہر نکال
 نذر کو اے میری چشم تر کوئی گوہر نکال
 منقل جاں سے کوئی جلتا ہوا انگور نکال
 اور پھر اُس سے آفتابِ دینِ پیغمبر نکال

سنگِ اسود کو دیا بوسہ رسول اللہ نے تو بھی اے طور ایک تو اس وضع کا پتھر نکال
 حوصلے پوں ہی نکلتے جائیں گے اے دل ترے آنکھ سے قندرم بہا اور آہ سے آذر نکال
 دولتِ قرآن تجھے دیتے گئے ختم الرسل کھینچ خط تدبیر کا تقدیر کا مسطر نکال
 صفوتِ صدیق اکبر کی دکھا کوئی ادا سطوتِ فاروقِ اعظم کا کوئی جوہر نکال
 ہے عروسِ دینِ قیم ایک شرمیلی دِلہن اس کی زینت کے لئے عثمان کا زیور نکال
 ثبوتِ مشکِ کشانی ہے تری طرِ زتِ یم بازوئے خیمبر کن سے قوتِ صفد نکال
 حق کے آگے سر جھکا باطل کی قوت سے زب دل سے غیر اللہ کا ہر مرگ پر ورڈ نکال

تو غزل خوانی پر آجائے تو ہو خواجہ کے وقت
 زلفِ عنبر بار سے کثروم بکھیرا تو زکال

لاہور

۲۶ مئی ۱۹۳۲ء

(۱۲۱)

نیلی پوشوں کا ترانہ

حق کی شان دکھانے آیا سچی بات سنانے آیا باطل سے ٹکرانے آیا باطل کا گھر ڈھانے آیا

لشکریلی پوشوں کا

لشکریلی پوشوں کا بھٹی لشکریلی پوشوں کا

رُٹھے ہوؤں کو منانے آیا بچھے ہوئے کو ملانے آیا سوتے ہوؤں کو جگانے آیا ہٹتے ہوئے کو ٹرہانے آیا

لشکریلی پوشوں کا

لشکریلی پوشوں کا بھٹی لشکریلی پوشوں کا

سلطانپور کی یاد کا نقشہ ظالم کی بیداؤ کا نقشہ بیکس کی فریاد کا نقشہ کھینچنے اور کھنچوانے آیا

لشکریلی پوشوں کا

لشکریلی پوشوں کا بھٹی لشکریلی پوشوں کا

بجنے لگا اسلام کا ڈونکا جبریلی الہام کا ڈونکا پیارے نبی کے نام کا ڈونکا دین رنگ جانے آیا

لشکریلی پوشوں کا

لشکریلی پوشوں کا بھٹی لشکریلی پوشوں کا

جالدھر

۷ جون ۱۹۳۲ء

(۱۲۲)

یک رنگی

ازل سے رنگ ہی اسلاموں کا صبغة اللہی
 مسلمانوں دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جاؤ
 تمہیں باطل نے لٹکا رہا ہے پھر کب وقت آئے گا
 کہ تم بھی گوش بر آواز طبل جنگ ہو جاؤ
 کبھی گونجتا تھا جس کے زیرِ یوم سے ایشیا سارا
 عرب کا پھر وہی سازِ بلند آہنگ ہو جاؤ
 علی کے بازوئے حربِ فتن کی آرائش سے
 زمانہ میں حریف طاقتِ افرتگ ہو جاؤ
 پہن کر جامہ نیلی اگر فساد کرنی ہے
 نہیں پر آسمان ہی کے نیکیوں ہم سنگ ہو جاؤ
 مری فطرت لگانے جا رہی ہے غوطہ زمرم میں
 تم اپنی پوتھیوں کے ساتھ غرقِ گنگ ہو جاؤ

سخن جو جس قدر ہیں ہند میں اُن سے کوئی کہہ دے
 کہ اس نظم مرتع کو پڑھو اور رنگ ہو جاؤ

جالتھر - ۸ جون ۱۹۳۷ء

(۱۲۳)

شہدائے سلطان پور کی یاد میں

کوئی سُننے نہ سُننے ربِ کعبہ نے تو سُننا
وہ خاک کیوں نہ ہو ہمرنگ کر بلا جس پر
کفن لپیٹ کے سر سے چلے جو قتل کو
یہ دیکھتا ہو کہ ہوتی ہے فتح کس کو نصیب
ہوئے غم شہدائیں سب آج نیلی پوش
لگے ہیں گشتوں کے میدان میں ہر طرف پشتے
بیاباں کپور قلعہ کے ستم رسیدوں کا
بہا ہونہوں مسلمان کی امیدوں کا
تو جو ہیں آئیں کہ مُنہ چوم لیں شہیدوں کا
مقابلہ ہے ینیدوں سے یا ینیدوں کا
یہ ہے اثر مرے نیلو فری قصبہ دلوں کا
حساب ہیکہ قیامت میں سر پریدوں کا

ح ملّا ہے رحمتِ باری سے مردِ مومن کو

سراغِ ارض و سموات کی کلیدوں کا

(۱۲۴)

جیش نبلی پوشان جالندھر

شرعیت کا شکنجہ ہند میں جب سے ہوا ڈھیلّا مسلمانوں کا آٹا مفلسی میں ہو گیا گیلّا
خدا وہ دن کرے حکمت کے چرچے ہوں مٹا دیں مساجد میں ہو شغلِ رتل القرآن ترتیلّا
اُدھر سے بیکسوں کی آئیں سلطا پنور سے آہیں اُدھر جالندھر اُٹھ بیٹھا پہن کر پیر ہن نیلا
شکر کیا جواب اللہ کے دربار میں دیں گے جہاں چلتا نہیں دنیا کی طاقت کا کوئی حیلہ

ضنا کاران جالندھر مسلماناں موتے جاتے ہیں
جسے دیکھا تھا کل ڈھیلّا وہی ہے آج پھرتیلا

جالندھر - ۵ - جون ۱۹۳۲ء

(۱۲۵)

قصہ سپند

اس وقت ہے کپور تھلہ کا عجیب حال
 پیری کے دن ہیں اور ہیں جوانی کے ولولے
 جلتے توے پہ نلج رہے کچھ سپند ہیں
 پیرس میں وہ لگا ہے اُلٹی زرق ر ہیں
 راعی ہو مال مست رعایا ہو حال مست
 عبد الحمید جاتے ہیں موٹر میں جس طرف
 جن ہندوؤں کے آگے جھکا یا سر آپنے
 ہندو سمجھا جو لوٹ کے حضرت کو کھا گئی
 احساں سے جن کو لا دیا آپ نے وہی
 اس ابتلا میں آپ کے کام آئے آج کون
 کہتی ہے اب کہ آپ بڑے ناد ہند ہیں
 پٹنجا رہے ہر ایک طرح کے گزند ہیں
 دیتے جو ساتھ آج وہ زنداں میں بند ہیں

داروئے تلخ جو ہے مرض کے لئے مفید

وہ اس نیاز مند کے نکتے یہ چند ہیں

جون ۱۹۳۲ء

(۱۲۶)

لالہ نانک چند تاز کی شاعری

کہہ لیتے ہیں تاز شعر، لیکن ملتا نہیں پڑھ کے اُن کو آنند
 ہے شعر وہی جو چٹکیاں لے دل میں کسی پدمنی کی مانند
 یہ نکتہ سنا تو سر کو دھن کر فرمانے لگے رشی دیا نند
 ہے تاز کی نظم کا یہ نقشہ دندان تو جملہ در وہا نند
 چشمان تو زیرِ ابرو مانند

امرت سر۔ ۱۰۔ جون ۱۹۳۲ء

نوجوان افغان سے خطاب

اے کہ تیرا منتظر ہے جنگ کا میدان اٹھ
 نادرہ توجید بے سامان ہو سکتا نہیں
 جس نے دی آتے ہی آزادی کی انساں کو نوید
 غلغلہ تکبیر کا افلاک کے گنبد میں ڈال
 ٹوٹے دی ہو بارہا باطل کی فوجوں کو شکست
 سرنگوں ہونے نہ پائے دینِ قیم کا علم
 حکمِ فاسجد و اقترب کا سار ہی نیا کوٹنا
 غرق ہونے سے نہ بچنے پائے بیڑا کفر کا
 باندھ کر تیغ و کفن اے نوجوان افغان اٹھ
 اے کہ ہے سب سے بڑا سامان ترا قرآن اٹھ
 تو اسی اسلام کی ہے اولیں برہان اٹھ
 اپنی سرحد اٹھ اور بن کر خدا کی شان اٹھ
 امر حق کا آج پھر کرتا ہوتا اعلان اٹھ
 اس کی عزت پر تجھے کرنی ہے جہاں قربان اٹھ
 ہاتھ میں لے کر یہ فرمانِ قضا جریاں اٹھ
 تجھ کو اٹھنا ہے تو ہو کر نوح کا طوفان اٹھ

گھر محمد کا جو تھا آباد ویراں ہو چلا
 بے خبر سوتا ہے گاکب تک اور بان اٹھ

ایریٹ آباد - ۳۱ - جون ۱۹۳۷ء

(۱۲۸)

سرحد کا غیور مسلمان

اُدھر ہے خاکدہ یثرب کے نئے فروشوں کا اُدھر ہے شریف پشاور کے پادشاهوں کا
 جو دیکھنی ہونبئی کے جلال کی تصویر تو چہرہ دیکھنے نو سرحد کے سر فروشوں کا
 کریں گے اُٹھ کے وطن کا علم بلند یہی کہ ہے یہ کام انہیں جیسے سخت کوشش کا
 وطن ہے دین اور اُس کا شرف یہ کہتا ہی کہ پاسباں ہوں میں دیر و حرم کے کوشش کا
 بڑھا ہے صبر کہ دے جبر کی سپہ کوشش
 مقابلہ ہے حکومت سے سرخ پوشوں کا

۳۰ جون ۱۹۳۲ء

(۱۲۹)

دیوان کی پورتحقلہ

زیندار کی نوک جھونک

عبدالحمید نے یہ بڑے فخر سے کہا بخشی گئی ہے قفلِ قضا کی مجھے کلید
میرے لئے ہے خونِ مسلمان کا رونا میرے خدنگِ ناز کا اسلام ہے شہید
آجائے جس کے ہاتھ میں ہندو بھاکا باگ وہ کس لئے ہوا اپنی وزارت سے ناامید
جب گنجیاں خزانہ کی ہوں میری حبیبیں کیوں ہونہ جا میں سارے جراید مرے مریب
کیوں میر حق میں بنکے چاکے کے آنہ جاتیں ہر گوشہ سے شہادتیں اور وہ بھی چشم دید
ایمان بیچنے پہ ہے دُنیا بُلی ہوئی کیوں نقدِ دام دے کے نہ لوں اس کو میں خرید
کیوں مجھ پہ کر رہا ہے زیندار اعتراض یہ نکتہ چینیوں نہ پڑیں گی اُسے مفید
یہ لامِ کاف سُر، کئے زیندار نے کہا اے سامری کے نسخہ کے دیباچہ جاوید

دُنیا نیریدیل سے ہی بیشک بھری ہوئی لیکن یہ جھوٹ ہے کہ نہیں اس میں با نیرید
 رندان ہنداب بھی ہیں مست اُس شراب کے نچخانہ حجاز میں جس کی ہوئی کشید
 میرا یہ کام ہے کہ کہوں تجھ کو اتنا ہا اللہ کی گرفت کا خمیا زہ ہے شدید
 دروازہ تو یہ کا ہے ابھی تک کھلا ہوا ایسا نہ ہو کہ مل نہ سکے مہلت فرید
 سارا یہ طمطراق ہے جس کا تجھے غرور اس انتظار میں ہے کہ ہو جندنا پدید

ڈوبی ہوئی اٹھیں ہے میری ہر اک دُعا
 آئی ہے عرش سے درے مکتوب کی رسید

۱۲۔ اگست ۱۹۳۴ء

(۱۳۱)

میرا وظیفہ

لاٹھی نہیں کہ کُفر کے سر پہ گھٹاؤں ہیں
وہ دن گئے کہ سکّہ اسلام تھا رواں
وہ دن گئے کہ ایک مسلمان کے سامنے
افسانہ ہو کے رہ گئی اُس تربیت کی یاد
ہندوستان میں آج مسلمان کا ہر خیال
کیا کم ہے یہ شرف کہ ہوں انگریز کا غلام
اس خفتہ بخت قوم کو کیونکر جگاؤں ہیں
آئے گی یہ فقط ترے چھینٹول ہوش میں
اے رب کعبہ لا اُسی دریا کی ایک موج
کابل سے تابیہ انقرہ طہراں سے تابیہ نجد
میرا یہ کام ہے کہ دُعائیں کیا کروں
بھولا نہیں میں خواجہ شیراز کا یہ قول
ماتا کہ اس ہنر میں بھی ہے مجھ کو دسترس؛
افصلے چھپیں سے تابیہ سدا و طرابلس؛
کافر ٹھہرنہ سکتے تھے ہوتے وہ خواہ دس
جس نے بنا دیا تھا کبھی ناکسوں کو کس
فرماتے ہیں بفخر نیرگان نکتہ رس
اور اس شرف کی عمر بھی ہو ڈیڑھ سو برس
ہوتی نہیں ہے اُمتِ مرحوم شس سے شس
بطحا کی اے گھٹا برس اور جھوم کر برس
دُنیا سے کُفر یہ گئی تھی جس میں بن کے خس؛
ہو پٹمنہ ن میوج چپٹ اس ویش و پس؛
اس سے نہیں غرض کہ سنیں ان کو ہم نفس
حافظ و ظیفہ تو دعا گفتن است و بس

۱۸ اگست ۱۹۳۶ء در بند آں میاش کہ نشید یا شنید

(۱۳۱)

محبت

”بیچ“ کے کرشن نمبر کے لئے،

کرشن آئے کہ دیں بھر بھر کے وحدت کے خمٹاں سے

شرابِ معرفت کا روح پہ در جامِ ہندو کو

کرشن آئے اور اس باطلِ رہا مقصد کے ساتھ آئے

کہ دنیا بہت پرستی کا نہ دے التزامِ ہندو کو

کرشن آئے کہ تلواروں کی جھنکاروں میں دے جائیں

حیاتِ جاویداں کا سردی انعامِ ہندو کو

اگر خوفِ خدا دل میں ہے پھر کیوں موت کا ڈر ہو

کرشن آئیں تو اب بھی دیں یہی پیغامِ ہندو کو

مسلمانوں کے دل میں بھی ادب ہے ان حقایق کا

سکھاتا ہے یہی سچائیاں اسلامِ ہندو کو

وہ میرے جذبہ دل کی کشش کا لاکھ ٹن کر ہو

۲۶۔ اگست ۱۹۳۲ء محبت سے ہیں آخر کر ہی لوں گا رامِ ہندو کو

(۱۳۲)

جہنمِ شمشی

مسلمانوں اور ہندوؤں کے سیاسی اختلافات نے اگرچہ ان دونوں قوموں کے صحافتی اداروں کو ایک دوسرے کا مستقل حریف بنا رکھا ہے۔ لیکن ہندو کی خاص خاص نیم مذہبی و نیم سیاسی تقریروں پر جب اُن کے اخبارات خاص نمبر نکالتے ہیں۔ تو ہندو صحافت کا تجارتی سلیقہ اسے اپنے اسلامی حریفوں سے ان نمبروں کے لئے کسی مضمون نظم و نشر کی فرمائش کرنے میں کوئی قیادت نہیں دیکھتا۔ مجھ سے بارہا اس قسم کی فرمائشیں ہوئیں اور میری موصدقہ کشادہ دلی نے ہر موقع پر ان فرمائشوں کو پورا کیا۔ جہنمِ شمشی کی ایسی ہی تازہ تقریب پڑ پڑتا پ کے مدیر معاذ نلالہ وزیر چند صاحب تشریف لائے۔ اور نظم کا تقاضا کیا۔ میں نے ذیل کی نظم قلم برداشت نہ لکھ کر اُن کے حوالے کر دی جس کے آخری شعر نے شاید اُن کو اس نظم کی اشاعت کی توفیق نہ دی ہو کیونکہ پڑتا پ کا یہ خاص جہنمِ شمشی نمبر میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔

وزیر چند نے پوچھا ظفر علی خاں سے سرری کرشن سے کیا تم کو بھی ارادہ ہے
کہا یہ اُس نے وہ تھے اپنے وقت کے ہادی اسی لئے ادب اُن کا مری سعادت ہے
فساد سے انہیں نفرت تھی جو ہی مجھ کو بھی اور اس پہ دے رہی فطرت مری شہادت ہے
ہے اس وطن میں اک ایسا گروہ بھی موجود سرری کرشن کی جو کر رہا عبادت ہے

مگر فساد ہے اُس کی سرشت میں داخل

بچائے کیا کریں پڑ ہی چکی یہ عادت ہے

لاہور
یکم ستمبر ۱۹۳۲ء

(۱۳۳)

کتاب زندگی

مؤلفہ چودھری فضل حق صاحب کن مجلس احرار اسلام

کھل گیا ہر ذی بصیرت پر حاکمے حیات جب سے فضل حق نے لکھی ہر کت یہ زندگی
لفظ لفظ اس کا ہر لٹ کے لئے دریں عمل حرف حرف اس کی ہو غوغائے ربانے زندگی
ساتی فضل حق ہو اور نہ خندانہ ہے احرار کا کیوں نہ چھلکے بزم میں جام شرب زندگی
حسن تھا باز بچہ آویزش عشق و ہوس بس یہی اک نکتہ ہے تعبیر خواب زندگی
گُفر کیا ہے؟ قادیانیت کی رسوائی کی لاش منہ چس نے ڈال رکھتا ہے نقاب زندگی
زندگی کا لطف اسی میں ہو کہ ہم آزاد ہوں غیر کا محکوم ہونا ہے عذاب زندگی
رات اندھیری تھی بھٹکتا پھر ہاتھ اک رہا دفعۃً نکلا چمک کر آنت اب زندگی
موت کے ڈر سے کیا فارغ رسول اللہ نے جن کی رحمت سے ہوا مفتوح باب زندگی

وقت پر جن کی شفاعت کا سہارا مل گیا

پیش جب کرنا پڑا ہم کو حساب زندگی

لاہور
۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

علی گڑھ کے نوجوانوں کا فیصلہ

اُدھر ہے جبر کی آن اور اُدھر ہے صبر کی شان
مفتابِ بلہ ہے تو انا سے ناتوا نوں کا
اُدھر ہے قایدِ افواج ہند کی للکار
اُدھر سکوتِ صف آما ہے بے زبانوں کا
اُدھر غرورِ حکومت کے طنطنے کی نمود
اُدھر منظرِ ہرہ دس بیس نیم جانوں کا
سراغِ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کونسلوں میں ہم
وطن کی عزتِ گم گشتہ کے نشانوں کا
نہ کٹ سکیں اگر اُن سے ہماری زنجیریں
تو مسجدوں میں عبث شور ہے اذانوں کا
ہمارے سر پہ مسلط نہ کیوں ہوں بیگانے
ہو اختلاف خود آپس میں جب یگانوں کا
نہیں رہی وہ تڑپِ دل میں جو الٹتی تھی
پلوں میں تخت جہاں کے خدا یگانوں کا
کبھی چلائے تھے بیڑے جنہوں نے خشکی پر
ہے عزم آج کہاں اُن جہازِ رانوں کا
ہزار حیف کہ مٹی میں مل رہا ہے وقار
حریمِ کعبہ کی حرمت کے پاسیانوں کا

ہمارے بسنے کے قابل نہیں رہا یہ وطن

یہ فیصلہ ہے علی گڑھ کے نوجوانوں کا

(۱۳۵)

زلزلہ فنڈ

راہِ خدا پہ تین حرف ، راہ ہے راہِ وِیسرائے
 مانگئے جا رہا ہوں بھیک زلزلہ فنڈ کے لئے
 فضل حسین ہو گئے زخمِ جگہ کے چارہ گر
 مرہم عیسوی ملا اس کے کٹرنڈ کے لئے
 میرے غرق کا نشانِ فخرِ رُسل کی خاکِ در
 گردِ رہِ کلیسیا اُن کے گھمنڈ کے لئے

لاہور
 ۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۱۳۶)

ملت کے سوا دوا عظم کی آواز

اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں تاجدار دکن کے گوش حق نبیوش کے لئے

اے کہ تیرے نام کا ڈنکا بجاتا ہے دکن
اے کہ تیرے قصردولت پر پہنچتی ہر توفیق
اے کہ ہے تجھ سے روایات سلف کی آبرو
اے کہ تیرے دل میں ہو سوائے حبِ اہلبیت
مجھ کو بھی آلِ عباس سے ہوا رات بے حساب
میں بھی ہوں ابنِ ابی طالب کا اک ادنیٰ غلام
اور پکارا اٹھتا ہوں میں بھی لافقی الا علی
میر اس مضمون کو لیکن چاہئے وسعت کچھ اور

اے کہ تیری ذات ہے فخرِ سلاطینِ دین
دینِ پنہیر کے عالمِ تابِ سوسج کی کرن
اے کہ تُو نے کر دیا ہے زندہ آئینِ کہن
اے کہ تیرے دل میں ہو پیوست عشقِ سخن
میری گردن میں بھی ہو اس کی غصیدہ کی رس
میری آنکھوں میں ہو جس کی سطوتِ حبِ فگن
جب کسی میدان میں گھمسان کا پڑتا ہو دن
جس کی گنجائش نکالے گا مرادِ پوانہ پن

ہیں ابو بکر و عمر پر بھی ہوں سو جاں سے نثار
 گنبدِ خضرِ اشادات سے رہا ہوں آج تک
 لہزہ ہو جاتا تھا طاری کفر کے اندام پر
 جب عمر کا نصرہ مستانہ ہوتا تھا بلند
 اس میں بو بکر و عمر ہوں یا ہوں عثمان و علی
 زندہ و پایندہ ہے وہ دل الی یوم التناد
 مجھ سے سیکھے کوئی اُن کے نام چمکانے کا فن
 پامنتی ہے خواجہ کو نین کی اُن کا وطن
 ابرو سے صیدِ بقی اکبر پر چوڑی ہتی شکن
 نشہ ہو جاتا تھا روم کا اور ایران کا ہرن
 سب کی خوشبو سے مکتا ہی خلافت کی چمن
 جس میں ان چاروں کی الفت کا ہو دیا موج زن

یہ سوادِ اعظمِ اسلام کی آواز ہے
 اے کہ تیرے نام کا ڈکا بجاتا ہے دکن

لاہور
 ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۱۳۷)

مولوی اور مالوی

دینے آتے ہیں بنارس سے وہ آزادی کا درس
 مولوی بے چارے کو آتے ہیں کب جھیل فریب
 رکھتے ہیں انگریز سے درپردہ لیکن رسم و راہ
 مالوی کے ہتھکنڈوں سے رتبہ اکبر کی پناہ
 ہونہیں سکتا ہو گا ندھی جی سے بھی جن کا نباہ
 ہو مسلمانوں کی روکھی سیکھی روٹی پر نگاہ
 حوصلہ اتنی ہو کہ موہن بھوگ کھاتے ہیں، مگر
 جلسہ گاہوں میں زباں پر نعرہ حب وطن
 دل میں لیکن ٹامیوں کے بوٹ کی ٹھوکر کی چاہ
 پسے درجہ کے منافق ہیں ہم اہل ہند بھی
 سبھہ در کف تو یہ پر لب دل پُر از شوق گناہ
 معصیت را خندہ می آید ہر استغفار ما

لاہور
 ۲۷ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۱۳۸)

مالکیان مشرق!

جمہوریہ شیرازیہ روس کے نمائندہ خاص موسیو نوٹوفیان کو جمعیتہ انوار کی شرکت پر مبارکباد دینے کی غرض سے ایک پروٹین جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ جب مبارکباد سن کر موسیو نوٹوفیان نے اپنے بلند پایہ میزبانوں کا رسمی شکریہ ادا کرتے ہوئے جس کی ملوکانہ شہینہ میں اشتراکیت کی فحش آویزی سے زیادہ ملی ہوئی فحش فرمایا اور کس ستم ظریفانہ انداز میں فرمایا کہ روسی اشتراکیت جینوہ کی بھری محفل میں ہی ہے تاکہ سرمایہ داروں کی گردن میں ہاتھ ڈال کر ناپے۔ لیکن ایک بات وہ اپنے گھر سے جی میں ٹھکان کر آئی ہے۔ وہ پورپ کے ساتھ مل کر ناپے گی ضرور لیکن بھاؤ اپنا ہی بتائے گی۔ جینوہ کی محفل کی رنگین روداد کا نقشہ میں نے الفاظ ذیل میں کھینچا ہے۔

مغرب میں تھا یہ شور کہ مشرق کی مالکیاں آباد گھر کرے گی ہمارے خروس کا
پر پھڑ پھڑا کے کیا ہی منے کا دیا جواب مرغی نے جب یہ نعرہ سنا اس جھڑوس کا
ناچوں کی میں ضرور تھے ساتھ بال میں لیکن بتائے جاؤں گی میں بھاؤ ریس کا

اس شرط پر بندھا ہے جینوہ میں آج عقد

برطانیہ سے روس کی اس نوعروس کا

لاہور

۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۳۹)

تغزیرِ جرمِ عشق

ناموسِ پمیر کا نگہباں ہے زمیندار
 اس عہد میں یہ جرم نہیں عفو کے قابل
 پلویں کے گدھے کو بھی ہے اس جرم کا اقرار
 گھوڑے نہ اسے کیوں نگہ قہر سے سرکار
 جبرت ہے کہ مانگی گئی کیوں اس سے ضمانت
 جب ایسے گناہوں کی سزا ہے سن و دوا
 حق بات کے کہنے سے یہ ہرگز نہیں ٹلتا
 چھوڑے گا نہ اس اپنی روش کو یہ گنہگار

اب بھی یہی بہتر ہے کہ دیجئے اسے سولی
 گولی سے اڑا دیجئے اس کو سربازار

لاہور
 ۱۹- اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۱۴۰)

نقارۂ خدا

جھوٹوں کی نگار یہ کوشش ہو کہ دب جائے
 سُن لیں جنہیں بخشی گئی ہو سُننے کی توفیق
 پتھروں کی جماعت کے غمدار کی آواز
 یثرب سے پھر اٹھی ہو کہ سوتوں کو جگائے
 ہوگی نہ کبھی بند زمیندار کی آواز
 بختانہ سنا جس نے ہولناقتِ رعد خدا کا
 شاہِ دو سرا احمد محنتِ ر کی آواز
 غوغائے قیامت سے کسی طرح نہیں کم
 سُن لے وہ غریبوں کے اس اخبار کی آواز
 یہ شور کسی طرح دبائے نہ دے گا !
 ناموسِ ہمیشہ کے نگمدار کی آواز
 یہ غلغلہ ہے طنطنہ ملتِ بیضا
 لاکھوں کی صدا ہے نہیں تپا کی آواز
 یہ ہمہ ہے معشرِ ابرار کی آواز

باز آنہ سکا حق کی ظاہت سے زمیندار

صحرا کی صدا ہو گئی اشعار کی آواز

(۱۴۱)

پناہ بخدا

نبیؐ کے بعد نبوت کا ادعا ہو جسے
 نئے صنم کردہ میں آگئے نئے نئے بت
 بڑھی ٹھچی ہے اُدھر اور اُدھر غلام احمد
 خدا بچائے ہیں اُن کے ساتھ ملنے سے
 جو بن کے یو علی آئے حکیم نور الدین
 کسی خدا کا تو قائل ہتے نادیاں بھی ضرور
 بنے جو باپ خدا کا اور اس کی بیوی بھی
 ان اہل مانہ حکایات پر نبی کی سنوار
 وزیر مہند کا لطف کس معاذ اللہ
 وہی ہر مرتبہ ایماں کا جو ہے درجہ کفر
 ہر ایسے بطل خرافات سے خدا کی پناہ
 نئے بتوں کی نئی گھات سے خدا کی پناہ
 ہزار بار ان آفات سے خدا کی پناہ
 مذافقوں کی مموالات سے خدا کی پناہ
 تو بڑ علی کی اشارات سے خدا کی پناہ
 جو مانگتا ہے نکاہات سے خدا کی پناہ
 ہر ایسے مسخرے کی ذات سے خدا کی پناہ
 ان احمقانہ روایات سے خدا کی پناہ
 اور اُن کی تازہ غنایات سے خدا کی پناہ
 اس آج کل کی مساوات سے خدا کی پناہ

اگر کرامت پیپر حرم ہے استدراج

تو پیپر اور اس کی کرامات سے خدا کی پناہ

لاہور
۲۰۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۲)

پہلوں کا گدھا

پہلوں کے سرکاری اہلکار کے ایک گدھے کا نام اس اہلکار کے منصب بند و بستم نے حضور سرور کون و مکان کے نام پر احمد رکھا۔ رسول اللہ کی اس کھلی ہوئی توہین پر سارے پنجاب اور سارے ہندوستان میں غم و غصہ کا ایک طوفان اُٹھ اُٹھا۔ ”زمیندار“ نے پے پے مقالے لکھ کر اس حرکت کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ اس احتجاج کی اُسے یہ سزا ملی کہ اس کا ہزاروں روپیہ کا مطیع ضبط کر لیا گیا اور بارہ چار ہزار روپیہ کی ضمانت لے لی گئی۔ ذیل کی نظم اس واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئی :-

جانتا ہوں کہ کیا ملے گا جواب	مجھ کو سرکار کے سکتے سے
دل اگر ہو کسی قدر فارغ	قاویاں کے خلیفہ کے ڈر سے
تو سکندر حیات ہی پوچھیں	جا کے پنجاب کے گورنر سے
کیا ”زمیندار“ کی خطا ہے کہ آپ	طیش میں آ کے اُس پہ یوں بہے

لی ضمانت تو وہ بھی چار ہزار اس بلاکش کی جیب بے زر سے
 کیا یہی اس غریب کا ہے قصور کہ اسے عشق ہے ہمیں سے
 جن کی توہین کی خبر آئی آپ ہی کے طویلہ نثر سے
 اور کیا اس نے احتجاج اس پر آج جو ہے بلند گھر گھر سے
 لوگ کہتے ہیں آپ کی خوبو دفعتاً جا ملی ہے ہٹلر سے
 ہمدن اضطراب ہے اسلام پوچھ لیجے ہر اپنے افسر سے
 کیجئے سب ضمانتیں منسوخ لیجئے یہ صلاح احقر سے

دل مسلمان کالے کے مٹھی میں

ٹالے سب بلاؤں کو سر سے

لاہور - ۲۲ - اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۱۳۴)

ناموسِ رسول کے تحفظ کی قیمت

نہیندار پریس کی ضبطی اور اخبار سے تین ہزار کی ضمانت

سرکار نے چھینا ہے نہیندار کا مطبع
چمکائے گئے اندلسی اور دمشق
کیا طرفہ تماشا ہو کہ ہوں آ کے معارض
نہیندارہ کش عشق رسول عربی ہوں
توحید کی دہلیز پہ ہوں ناصیب فرسا
جو پورا الہیوں کو نہ ملی ہے نہ ملے گی
ہے جس کی ہر اک پوند میں کوثر کی بلوئی
مرزا کی بجائے ہوئے بغلیں نکل آئے
خوش تھے کہ ہوا باغ نہیندار کا باغ آج

لیکن یہ خوشی تھی فقط اک عشرہ کی محال

پھر رحمت باری سے یہی راغ ہے باغ آج

(۱۴۴)

خالد لطیف گایا

اور

حاجی رحیم بخش کی انتخابی آویزش

اہل نظر نے دیکھے اسلام کے کشتے پہنچے اسمبلی میں خالد لطیف گایا
 سرکار کا سہارا کچھ بھی نہ کام آیا کھا کر شکست نکلے حاجی رحیم بابا
 اُن کی مدد کو دوڑا وہ قادیان کا ہیکل فتنوں کی آگ جس میں بجتی ہوئے محابا

جب اُن کے دوڑ سے بھی شکل نہ ہو سکی حل

حاجی نے حسرتوں کا بستہ بغل میں داہا

لاہور ۱۶۔ نومبر ۱۹۳۴ء

(۱۲۵)

رنیر کی عروں

ہماشہ خورشند کے صاحبزادہ رنیر کی عروسی کی تقریب میں دوسرے احباب کے ساتھ
شرکت کی دعوت میرے نام بھی آئی۔ ولہن کا نام سوشیلا دیپتی تھا۔ اس نام کی مناسبت
سے اشعار ذیل ہماشہ خورشند کی نذر کئے گئے :-

مجھے بھی ہر شکست توبہ کی فکر آج اے ساتی وہ سبایاں جو جس سے اہتمام بادہ نوشی لا
بڑھائی جا رہی ہیں رنیر کی گھر کی کہ اس گھر کو لگانے آرہی ہے چاند سوشیلا
ولہن کو جذبہ حب وطن یا رب کرا رزانی
ادھر بھی ہو جوشیلی اگر دھاپا ہے جوشیلا

لاہور
دسمبر ۱۹۳۲ء

(۱۴۶)

حفظ کلام اللہ کا درجہ

حافظ محمد رفیع صاحب تاجر دہلی کے یا زودہ سالہ فرزند محمد یونس کو کلام اللہ حفظ کرنے کی سعادت ارزانی ہوئی۔ مولوی عظمت اللہ صاحب نے جو دفتر ”الجمعیۃ“ دہلی سے وابستہ تھے مجھ سے فرمائش کی کہ اس مبارک تقریب کے لئے کچھ اشعار کہہ دوں۔ نظم ذیل اس فرمائش کی تعمیل میں قلم برداشتہ لکھی گئی :-

پس نے آج ختم کیا اُس کتاب کو	انسان جس کے پڑھنے سے انسان ہو گیا
گیا وہ برس کی عمر کے بچے کے واسطے	دارین کی صلاح کا سامان ہو گیا
اسلامیوں کے ہاتھ میں جب آئی یہ کتاب	شیرازہ کافروں کا پریشان ہو گیا
ہر نقطہ اس کا بن گیا احسان کی نوید	ہر شوشہ اس کا مژدہ ایمان ہو گیا
اکر دیا عرب کو نیا اس نے آب و رنگ	زنگیں اس آب و رنگ سے ایران ہو گیا
فلیعید و کانعرہ جب اُس نے کیا بلند	بوزر کوئی بنا کوئی سلمان ہو گیا

ملت کی آبرو کو لگائے گا چار چاند

یونس جو آج حافظ قرآن ہو گیا

دہلی
۸۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۷)

لا تخف انک انت الاعلیٰ

”زمیندار کے ایک فنی معاون جن بطلوت نے زمیندار کی قربانیوں کا تذکرہ ایک نظم میں کیا جس کے تین شعر یہ تھے :-

بہتی دنیا تک یہ آدیش ہے گی یا دگر غیب طاعوت اک طرف تھا زمیندار کا نظر
حق کے جلوے صفحہ گیتی پہ چھا جانے لگے خانہ باطل میں بچھ جانے لگی باتم کی صفت
عزم راسخ نے فنا کر ڈالے بے شک و گماں
ہو گیا پیش نظر الحق بعلو کا سماں
اس پر ذیل کے دو اشعار میں نے بھی لکھ دیے :-

اس کے سر پر سایہ ہی شام و پگاہ اللہ کا اس نے پایا ہے محمد کی معیت کا شرف
کیوں نہ اس کے حوصلے آکر بڑھائے جبریل
کیوں نہ پہنچے عرش سے اس کو نوید لا تخف

۷۔ دسمبر ۱۹۳۲ء

(۱۳۸) °

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء

استعمار کی بھینس کا انڈا

صدرِ اعظم کی سخاوت میں نہیں ہم کو کلام لیکن اُن سے پوچھتے ہیں ہم کہ ہم کو کیا دیا
کاغذی گھوڑا دیا ہم کو سواری کے لئے اک کھاونا بھیج کر بچوں کا دل بہلا دیا
اپنے پینے کے لئے شیمپین بھری جامیں ہند کے رندانِ دردِ آشام کو ٹھہرا دیا
میوہ خوری کے لئے چننے لگے جب گول میز رکھ لیا خود منغر چھلکوں پر ہمیں ٹر خا دیا

بھینس استعمار کی گاہن ہوتی مدت کے بعد

اور پڑی وقت سے اصلاحات کا انڈا دیا

لاہور ۱۲ جنوری ۱۹۳۵ء

(۱۴۹)

نعرہ خروسی اور اُس کا جواب

فرنگستان کی مرغی گھسی مشرق کے درجے میں اور آتے ہی دیا اُس نے نئی تہذیب کا انڈا
 کھٹک کر جب یہ انڈا چوزہ نکلا ایک چنگبر تو اُس کی چونچ میں تھا مغربی آئین کا ڈنڈا
 یہ ڈنڈا لے کے چوزہ چڑھ گیا وہلی کی مٹی پر جہاں روشن تھا پہلے ہی سے استعمار کا ہنڈا
 وطن کے درہ درہ نے سُنی اُس کی یہ لگڑوں کوں کچل دو کا نگرس کا سر جھکا دو یہ ہنڈا جھنڈا

کہا بے حشمت میں نے یہ خروسی نعرہ سُنتے ہی
 وطن کا جوش اُس دھکی سے ہو سکتا نہیں ٹھنڈا

لاہور۔ ۲۰۔ جنوری ۱۹۳۵ء

(۱۵۰)

عید الاضحیٰ

۱۳۵۵ھ

عید الاضحیٰ لائی ہے بطل سے پیغامِ بقا
 فاش کرنے آئی ہے بشر کے قربانی کا راز
 خنجرِ تسلیم کے گشتوں سے جا کر پوچھ لو
 ملتِ بیضا کی عزت کی نگہبانی کا راز
 آئینوں کے سر پہ تاجِ سطوتِ کبریٰ کا بید
 مفلسوں کے گھر میں ثلث کی فرائض کا راز
 جن کے دل رہتے تھے خالی خونِ غیر اللہ سے
 اُن شتر بانوں نے سمجھا تھا جہانِ نبانی کا راز
 جنسِ آنا دی جو ہنگامی تھی وہ سستی ہو گئی
 کھل گیا اسلامیوں کے خوں کی ارزانی کا راز
 آشکارا کر دیا جمعیتِ اسلام نے
 قادیانیت کی روز افزوں پریشانی کا راز

داودیتا ہے مرے اشعار کی روحِ الٰہیں

بسکہ سمجھا ہے وہی میری سخنِ دانی کا راز

لاہور - ۱۵ مارچ ۱۹۳۵ء

(۱۵۱)

تہذیب جدید کا انڈا

تبلیغ کا نفرس چونڈہ میں یہ اشعار ارتجالاً کہے گئے۔

اسلام کی تبلیغ کا مرکز ہے چونڈہ اُڑتا ہے یہاں شرع کے ناموں کا بھنڈا
جب تک نہ زمانے سے نشاں کفر کا مٹ جائے ہو گا نہ کبھی جوش مسلمان کا ٹنڈا
مرزاہیوں کے ہوش لگے ہونے فقر و جس وقت بخاری نے لیا ہاتھ میں ڈنڈا

کرتے ہوئے چوں چوں نکل آئے متنبی

پورپ نے دیا جب نئی تہذیب کا انڈا

چونڈہ ضلع سیالکوٹ

یکم اپریل ۱۹۳۵ء

(۱۵۲)

مُنکِرِ حَقِّمِ نَبَوِّتِ کَا حَشْر

تبلیغ کانفرنس جموں میں نکتہ داں احباب کے اصرار پر یہ اشعار بر سبیل ارتجال
زباں پر آگئے۔

قادیانیت پہ کر سکتا وہی ہے انتقاد منقل جاں ہیں ہر جس کی شعلہ زن جوش جہاں
جو رہا ہے عمر بھر زندانی زلفِ فرنگ جس کو انگریز دینے دی رہ رہ کے اس جذبہ کی دُ
جو رسول اللہ کے ناموس پر قرباں ہوئا نامراد دی میں بھی جو ثابت ہوئا ہے با مُراد
جانتا ہے جو غلام احمد کی الماری کا بھید پُڑے پُڑے کر دیا مرزا کا جس نے جھٹل
جان سکتا ہے وہی مرزا بیوں کی عاقبت جس کے ہے پیشِ نظر حشر نمودِ انجامِ عاد

مُنکِرِ حَقِّمِ نَبَوِّتِ کے تقدّر میں ہے درج

ذُلّت و خواری و رسوائی الی یوم التناد

جموں - ۲ - اپریل ۱۹۳۵ء

(۱۵۳)

جہانیاں

جو دیدہ ویر ہیں اُن کو دکھا دے جہانیاں دین محمد عربی کی نشانیاں
 ہندوستان میں پھر اُسی دریا کی موج لا زمرہ کی روستے اُٹھی تھیں جس کی روانیاں
 اسلامبول کے کان میں ناسور پڑ گئے سن سن کے قادیانیوں کی بد زبانیاں
 ان میرزائیوں کی خرافات تاب کے اسلام کی سنا ہمیں رنگیں کہانیاں

باطل کے زیر کرنے کی تدبیر ہے یہی
 قربان حق کی راہ میں ہوں زندگیاں

جہانیاں

۱۲۔ اپریل ۱۹۳۵ء

اسلام اور اُس کے حریف

بھائی پرمانند کی اُس غزل کے جواب میں جو انہوں نے ہندو مہاسبھا کے اجلاس
دارجیلنگ میں لکائی :-

سنگٹھینیوں کے دلوں میں ہی اک خواہش ہے کہ مسلمان کی اس دیس میں ہستی نہ رہے
رب کعبہ کا جہاں نام لپا جاتا ہو کشور ہند میں ایسی کوئی بستی نہ رہے
پینے والوں کو ملے بادہ گلزننگ کا جام مگر اس بادہ میں توحید کی مستی نہ رہے
نرخ ناموس پیسہ رکا ہے خون شہدا اب انہیں ضد ہے کہ یہ جنس بھی ہستی نہ رہے
اگر اس قوم کو پالامری ہمت سے بڑے کمر اپنی وہ مرے قتل پہ کستی نہ رہے
پاک ابھی قصہ غلامی کا ہوا جاتا ہے اگر اس ملک میں گوسالہ پرستی نہ رہے
رحمت اللہ کی ملت کو اگر شامل ہو تو وہ آزادی کامل کو ترستی نہ رہے
اسلماتی ہوئی اسلام کی کھیتی جل جائے مگر دینہ کی گھٹا اس پہ برستی نہ رہے

اے خدا نام مسلمان کا ہو دنیا میں بلند

اس بلندی کو کہیں خطرہ پستی نہ رہے

لاہور
۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(۱۵۵)

وفادار ان مادر زاد

مرزا مسرظفر علی نے قادیانیوں کو از روئے شریعت دائرہ اسلام سے خارج سمجھ کر حکومت سے انہیں ایک جداگانہ جماعت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ پھر وہ ان کے ایک چھتہ کو چھیڑ دیا۔ ہر چھوٹے بڑے مرزائی کی زبان جو قیچی کی طرح چلنے کی جوگر ہے ان غریب کو بھانت بھانت کی گالیاں اور رنگ رنگ کی ملاحیاں سننے کے لئے وقف ہو گئی۔ لیکن اس سارے سب و شتم کا بچوڑ خلیفہ تادیباں مرزا بشیر الدین محمود کا وہ الہامی خطبہ ہے جو آپ نے ۲۶-۱ اپریل ۱۹۳۵ء کو اپنے دربار کے جی حضوریوں کے پھرے مجمع میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں جس کی درازی حسب معمول علم الملکوت کی آنت کی روایتی طوالت کو شرمندہ کر رہی ہے۔ آپ نے پہلے کفر اور اسلام کا فرق بتایا۔ یعنی اپنی ذات والاصفات اور اپنی امت قلیل الانفا کو اسلام کا واحد اجارہ وابتدا کر کفر کی شگھڑی کا سارا ہمالیائی بوجھ مسلمانوں کے مظلوم سر پر رکھ دیا۔ پھر کلام اللہ کی تنبیط و تخمین کی طرف متوجہ ہوئے اور اس نص صریح کو سامنے رکھ کر کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک ویغفر من دون ذلک من یشاء واللہ شرک کا گناہ تو کبھی نہ بخشنے کا لیکن دوسرے گناہ جو چاہے

بخش سکتا ہے) اس قرآن شریف کی رو سے جو قادیان شریف میں نازل ہوا ہے۔
اعلان فرمایا کہ جنت کا دروازہ مشرکوں اور وہابیوں کے لئے بھی کھلا ہوا ہے۔ خدائے
بزرگ و برتر کے قول کو چھٹلانے کا مقصد قادیانی فرض ادا کرنے کے بعد آپ مرزا
سرفطر علی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر گونا گوں مطاعن اور بوقلموں ملاعن کا چھٹا
باندھ دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہ فن ہے جس میں آپ سے آج تک اگر کوئی بازی لے
جاسکا ہے تو وہ آپ کے آں جہانی باواستے۔ اس سارے خطبے کے لفظی اور بین
الطوری مفہوم کو اگر کلام موزون میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کوشش کا
ماحصل ذیل کے اشعار ہو سکتے ہیں جو یہ اختیار زبانِ قلم پر جاری ہو گئے۔

رسولِ وقت کی اولاد ہم ہیں	وفا دارانِ مادر زاد ہم ہیں
پچاس الماریاں ہیں قادیان میں	سبق اُن کا ہے جن کو یاد ہم ہیں
ہشتی مقبرے کی ہڈیوں کا	تبرک بانٹ کر دلِ شاد ہم ہیں
پرستارِ ان خاکِ کعبہ سن لیں	کہ نبیبِ مسندِ ارشاد ہم ہیں
نگارستانِ ایماں کی کرو سیر	کہ اس کے مانی و بہزاد ہم ہیں
جسے اسلام سمجھے ہو وہ ہے کُفر	اور اس پر کرنے والے ضاد ہم ہیں
پیرانی ہو چکی مکہ کی تہذیب	نئی تہذیب کے استاد ہم ہیں

فضا گو نجی ہے جس کی گالیوں سے

وہ بستی کر رہے آباد ہم ہیں

شریعت بن گئی جن کا کھلونا وہی مادرِ پدر آزاد ہم ہیں

خدا کا لوگ بیشک کر لیں انکار کہ اُن کو دینے والے داد ہم ہیں
 نبوت ہے ہمارے گھر کی لونڈی خدا کے آخری داد ہم ہیں
 غم استعمار کی دیوار کو کیا جب اس دیوار کی بنیاد ہم ہیں
 نصاریٰ کی ہری کیوں ہو نہ کھیتی کہ اُن کا کھیت ہو اور کھا دی ہم ہیں
 کوئی جا کر مسلمانوں سے کہہ دے کریں گے جو تمہیں برباد ہم ہیں
 حکومت سے اُلجھتے کس لئے ہو پڑی ہے تم پہ جو آفت داد ہم ہیں

دماغ اُس کا نہ پہنچا جن کی نہ تک

وہ ممکنے کر رہے ایجاد ہم ہیں

لاہور
۳۱ مئی ۱۹۳۵ء

(۱۵۶)

”زمیندار“

اور

مجلس احرار کے ارباب بست و کشاد

”زمیندار“ کی ایک اشاعت میں جناب نسیم سو و صمدی کا ایک اپیل شائع ہوا تھا جس میں آپ نے مجلس احرار کے ارباب حل و عقد سے دریافت کیا تھا کہ آپ حضرات نے اسلامیان ہند بلکہ اسلامیان عالم کے اس دیرینہ خادم کی مشکلات کے ازالہ کے لئے اب تک کوئی قابل ذکر علی اقدام اب تک کیوں نہیں کیا۔ اس سوال کا جواب جناب نسیم کو لے یا نہ لے لیکن ”زمیندار“ کی خودداری سے وہ اپنی محبت بھری التجا کا جواب اگر سننا چاہیں نوٹس لیں:-

اے ”زمیندار“ دم لپاٹو نے	وعدہ آدلیں ونا کر کے
مار کر ایک نعرہ یاھو	رکھ دیا غیر کو جڈا کر کے
دل سے باطل کا ڈرنکال دیا	حق کا اظہار پر ملا کر کے
مشکل اسلامیوں کی حل کر دی	ما سوا اللہ سے اپا کر کے

دیدہ درد کو دکھا دیا تُو نے تھے جو چھوٹے اُنہیں بٹا کر کے
 نام اُچھالا نبی کی اُمت کا درد سے دل کو آشنا کر کے
 خرمین کُفر کو لگا دی آگ چمن اسلام کا ہرا کر کے
 گل کیا تُو نے قادیاں کا چراغ روشن ایمان کا دیا کر کے
 ناؤ مرزاہوں کی ڈوب گئی تُو نے چھوڑا اُسے فنا کر کے
 تجھے بخشی گئی حیاتِ ابد جان اسلام پر فدا کر کے
 سر بلندی ہوئی نصیب تجھے سرفروشی کا حق ادا کر کے
 تیری عزت میں چار چاند لگے دل و جان نذرِ مصطفیٰ کر کے
 تجھ کو جو کچھ ملا خدا سے ملا نہ کہ بند دل سے التجا کر کے
 کوئی جا کر نسیم سے کہہ دے کیا ملا عرضِ مدعا کر کے
 بات بھی کھوٹی التجا کر کے

لاہور ۱۰۔ جون ۱۹۳۵ء

بلوچستان

کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلہ میں خدا کی ہزار ہا مخلوق پیوند زمین ہو گئی۔ اس حادثہ میں نواب یوسف علی خاں مگسی کے بھی جان بحق ہونے کی خبر آئی۔ لیکن ساتھ ہی ایک تار آیا جو افسوس کہ بالآخر صحیح نہ نکلا، کہ یوسف علی خاں صحیح و سلامت ہیں۔ اس تار کے پہنچنے پر حسب ذیل اشعار بے اختیار زبان پر جاری ہو گئے۔

نہ بھولے گا بلوچستان کا بھونچال یاروں کو قیامت تھا ہر اک بستی میں اس کا شور مچ جانا
 اُترنا اُس کی مہیت کا دلوں میں اور ماغول میں سراپاؤں کے ریشہ ریشہ اور نخ میں رچ جانا
 تماشا گاہِ عبرت تھا قضا کے زورِ یازو کا جہاں ناتواں کی نیم جانی سپیچ جانا
 جسے ہم ماننا چاہیں سچا سکتا ہو کون اُس کو اس ارشادِ خداوندی کو منکر نے بھی سچ جانا

خدا کا سایہ ہو یوسف علی خاں کی طرح سر پر
 تو آساں ہو فنا کی زد میں آنا اور سچ جانا

لاہور-۱۲ جون ۱۹۳۵ء

(۱۵۸)

احرار کا جواز

مسجد شہید گنج لاہور ۲۲ جون ۱۹۳۵ء کو شہید کر دی گئی۔ اس کے بعد ہی مجھ کو اور مجلس اتحاد ملت کے مختلف ارکان کو مختلف مقامات میں نظر بند کر دیا گیا۔ میری نظربندی کا مقام کرم آباد میں تجویز ہوا۔ یہ نظم اسیری کے اُنہی ایام کی یادگار ہے۔

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار	اسلام اور ایمان اور احسان سے بیزار
ناموسِ ممیّسہ کے نگہبان سے بیزار	کافر سے موالات مسلمان سے بیزار
اس پر ہے یہ دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار	احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار
پنجاب کے احرار	اسلام کے غدار
بیگانہ یہ بد بخت ہیں تہذیبِ عرب سے!	ڈرتے نہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے!
بل جائے حکومت کی وزارت کسی ڈھب سے	سرکارِ مدینہ سے نہیں اُن کو سروکار
پنجاب کے احرار	اسلام کے غدار
جا کر کہے اُن سے کوئی اللہ کا بندہ	جب دین کی حرمت کا گلے میں نہیں بھنڈا
اور شرع کی تذلیل ہے احرار کا دھندا	پھر کیوں ہیں مسلمان سے چندے کے طلبگار
پنجاب کے احرار	اسلام کے غدار

گالی اُسے دیتی ہے یہ احرار کی ٹولی
احرار کو پھڑج سے کیوں لکھتے نہ اشرار
اسلام کے غدار

سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ مکر کی پھبتی
گمراہ ہیں خود اور ہیں کتنے ہیں غلط کار
اسلام کے غدار

مسجد کا نشان کوئی مٹا دے تو یہ خوش ہیں
لاہور میں آثارِ قیامت ہیں نمودار
اسلام کے غدار

اللہ کے رستے سے جو اس طرح ہٹے ہیں
پھر کیوں نہ یہ کمبخت ہوں رسوا سر بانا
اسلام کے غدار

کھاتا ہے مسلمان کوئی سینہ میں جو گولی
اسلامیوں کے خوں سے چلی کھیلنے ہو لی
پنجاب کے احرار

شو جھی شہداء پر انہیں مرہار کی پھبتی
توحید کے بیٹو یہ ہے احرار کی پھبتی
پنجاب کے احرار

اللہ کے گھر کو کوئی ڈھا دے تو یہ خوش ہیں
مسلم کا کوئی خون بہا دے تو یہ خوش ہیں
پنجاب کے احرار

مردانِ مجاہد سے جو اس طرح کٹے ہیں
اسلام کی فوجوں کے مقابل جو ڈٹے ہیں
پنجاب کے احرار

کرم آباد - ۸ - اگست ۱۹۳۵ء

○ (۱۵۹)

پیغامِ عید

تجھ کو دینے آئی ہے درسِ حیاتِ جاوداں
 اپنے آبائی شرف کے مشغلے کو تازہ رکھ
 اے حرم کے پاسِ باں توحید کا ڈونگا بجا
 مغربی یا مشگروں کے زمرے سنتا ہو کیا
 ہو تہی دستی مسلمانوں کی پہچاں آج کل
 غیر کا محکوم ہونا اگر نہیں تجھ کو پسند
 اے سماں کاں کھول اور عیدِ پیغامِ سن
 طنطنے اپنی جہاںگیری کے صبح و شام سن
 پھر حریفوں سے حدیثِ گردشِ ایام سن
 اپنی محفلِ گرم کراؤ نہ نعمتِ اسلام سن
 کچھ بھی غیرت ہو تو غیرتِ سنیہ الزام سن
 قبلہ رو ہو اور خدا کے سرمدی احکام سن

نعرۂ تکبیر سے دنیا میں ہلچل ڈال دے
 جس کو لیں مشرق اور مغرب کے اصنام سن

لاہور، یکم مارچ ۱۹۳۶ء

(۱۶۰)

نوبار

یہ مژدہ سُنا یا ہے مُرغِ سحر نے
 ہنچو دمِ گل و لالہ و یاسمن میں
 ہری ہو رہی ہیں رختوں کی شاخیں
 گہرائے غلطاں کا آویزہ شبِ دم
 جگایا ہے سبزہ کو موجِ صبا نے
 شہِ خاواں کی شعاعِ زرافشان
 نئی فصل کی گہرائی حرارت
 ہو آئیں شبیلی نضائیں رنگیلی
 ہوا ختم پر ہیزگاری کا موسم
 تھی کیسہ رندوں کے بے مایہ گھر میں
 کہ طرفِ چمن سے خزاں جا رہی ہے
 خراماں خراماں بہاؤ آ رہی ہے
 نظر شانِ پروردگار آ رہی ہے
 بنا گوش سنبل میں لٹکا رہی ہے
 نسیم آ کے لالہ کو لہکا رہی ہے
 زمیں پر نیا نور پھیلا رہی ہے
 رگوں میں نیا خون دڑا رہی ہے
 بہاؤ اپنی تصویر کھینچا رہی ہے
 سیہ مستیوں کی گھٹا چھا رہی ہے
 شراب آ رہی اور ادھار آ رہی ہے

جواں ہو رہا ہے جنوں ایشیا کا یہ آنکھی جو آنکھی ہے بولا ہی ہے
 مسلمان کے بازو کی دیرینہ قوت زمانہ کا نقشہ بدلا ہی ہے
 عجم کی اُمنگوں میں شرکت عرب کی نئی زندگی کی خبر لا ہی ہے
 روح حق میں سر بیچنے کی تمنا ہر اک مردِ مومن کو ترپا ہی ہے
 اتاترک کی صولتِ صنمِ افنگن صلیبی حریفوں کو لڑا ہی ہے
 خدا کی شمع کش نوازی کی عادت ستمگر کی گردن کو نیوٹرا ہی ہے
 پیہمیر کی رحمت دو عالم پہ چھا کر پراپوں اور اپنوں کا غم کھا ہی ہے

ہمارا آفریں ہے نظمِ مرصع
 جسے ساری خلقِ خدا گا ہی ہے

۱۱ مارچ ۱۹۳۶ء

(۱۶۱)

مجلس اتحاد ملت کے اغراض و مقاصد

یہی مقصد ہے اے مسلمانو مجلس اتحاد ملت کا
 ہو سہرا فراز امت مرحوم ختم ہو دور اس کی قلت کا
 اپنی فطرت کا تذکرہ کیجے نہ کہ اغیار کی جبلت کا
 مسجدیں ہی نکھار سکتی ہیں رنگ حرمت کا اور جلالت کا
 آپ کثرت پہ غالب آئیں گے فکر کیجے نہ اپنی قلت کا
 قوم جو سو رہی ہے اٹھ بیٹھے
 گر نکل جائے حرف علت کا

یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۶۲)

امرتسر کے نیلی پوش

یہ شور اٹھا کہ امرتسر کے نیلی پوش آ پٹھئے
 کفن باندھے ہوئے سر سے شہادت کو ش آ پٹھئے
 ہیں جن کی عافیت سوزی کے چرچے آج کل گھر گھر
 وہ مروان مجاہد عاقبت بر دوش آ پٹھئے
 ہوئی فرزانگی پر خندہ زن دیوانگی جن کی
 وہ دیوانے لٹانے کو متاع ہوش آ پٹھئے
 حریص لذت آزار کوئی ہو تو ایسا ہو
 جنہوں نے نیش کو سمجھا ہمیشہ نوش آ پٹھئے
 خدا کے گھر کے رکھوالے مے بطحا کے متوالے
 ہے جن کا منتظر فردوس کا آغوش آ پٹھئے
 وہ آ پٹھئے ہیں بن کر موج لطف رب اکبر کی
 ۳۰۔ اپریل ۱۹۳۶ء وہ ہو کر مصطفائی رحمتوں کا جوش آ پٹھئے

(۱۶۳)

مدرستہ البنات جالندھر

ہے یہی اولین سبق مدرستہ البنات کا نام زمانہ میں اچھال سرور کائنات کا
 فرشتہ پہ گفتگو تری عرش کو جستجو تری رشتہ ہے کس قدر دماز تیرے تعلقات کا
 وضع عرب کہ اختیار تاکہ جاسکے نہ رنگ تیرے مزاج پر عجم اپنے تکلفات کا
 تجھ سے لیا ہو انتقام آج شہید گنج میں بہمنوں کی روح نے ہیکل سومنات کا
 دیر سے کٹ حرم سے جڑ آیا کٹ سے لو لگا قصہ ہیل کا پاک کہ توڑ طلسم لات کا

روزہ بھی ہونا بھی حج بھی ہوا و زکات بھی

لب لباب ہے یہی فلسفہ حیات کا

۲۔ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۶۴)

فرزندانِ توحید کی روش

ہے سلطنت کی آرزو تو مصطفیٰ کمال بن
 ہلال کا عروج ہو صلیب کا زوال بن
 ضعیف اگر نظر پڑے رسول کا جمال بن
 قوی اگر ہو سامنے تو قہر و الجلال بن
 خدا کے آگے سر خم کا کہ سر کشوں کا سر خم کے
 قضا ستگروں کی ہو ستم زدوں کی ٹھکان بن
 وطن کے ساتھ دین بھی اگر تجھے عزیز ہے
 جو بن گیا ہے پہلوی تو ساتھ ہی ہلال بن
 اگر ہے جستجو تجھے طنابِ اتحاد کی
 تو نجدیوں کے تاج کا گہر فشاں عقاب بن
 ہے تو خدا کے واسطے خدا ہو تیرے واسطے
 چلا ہو اُس کی راہ میں تو پھر اُسی کی چال بن

قلم سے کام تیغ کا اگر کبھی لب نہ ہو
 تو مجھ سے سیکھ لے فیضانِ راسِ مینِ مثال بن

۱۰۔ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۶۵)

نیپال

یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو میں نے حسب ذیل برقیہ وزیرِ اعظم نیپال کے نام بھیجا: جنک پور میں حکومت نیپال کے عمال کے ہاتھوں مسجد کے اندام، مقدمہ چلانے بغیر مسلمانوں کو جیل میں ٹھونس دینے اور ان کی جائیدادوں کی ضبطی عام اور ان کی مذہبی آزادی سلب کر لئے جانے پر تمام اسلامی ہند میں ہوجانے والا اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ میں آپ کی حکومت کی انصاف پسندی سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ صدمت حال کو پُر سکون بنانے کے لئے فوری اقدام کرے گی۔ نظم ذیل انہی واقعات سے متاثر ہو کر لکھی گئی :-

مصابیت میں مسلمانانِ نیپال	منا ہے چند دن سے مُبتلا ہیں
حکومت کے تشدد و پیشہ عمال	انہیں ہر طرح کے دکھ دے رہے ہیں
سلامت ان کی جانیں ہیں نہ اموال	خدا کا نام لینے کی خطا پر
اور اس کے بعد زنداں میں دیا ڈال	ذرا بولے تو ڈھا دی ان کی مسجد
نفس والوں کے نوحے ہیں پروبال	خدا اُس ہاتھ کو شرمائے جس نے
خداوندِ اتر ہی غیرت کا بھونچال	یہ سب کچھ دیکھ کر اتنا نہیں کیوں
انہیں جن کے منظم کا ہی یہ حال	اگر تو ڈھیل دینا چاہتا ہے
مسلمانوں کی ساری مُشکلیں ٹال	پیمبر ہی کی رحمت کا تصدق

مسجد شہید گنج کی شہادت

پر

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دورِ سہمی آنسو

۱۲- اپریل ۱۹۳۶ء کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلس احرار کی طرف سے مقدمہ مسجد شہید گنج کی کامیابی کے لئے دعا کا اعلان کیا۔ حالانکہ مسجد کی شہادت میں بڑے ہاتھ مسلمانوں سے احرار کی علیحدگی کا تقاضا۔ اس پر اشعار ذیل بے اختیار زبان پر جاری ہو گئے:-

بے سود ہے دُعا نہ ہو جب تک عمل بھی ساتھ	نہیں نے پڑھا ہے بدرواحد کی کتاب سے
لطفِ فرنگ پر ہی بھروسہ رہا جنہیں	کیا مانگتے ہیں پھر وہ خدا کی جن سے
قانون ہے وہی جسے جاری کرے خدا	بم سُننے آئے ہیں یہی اُم الکتاب سے
عافل کے آنسوؤں سے وہ کھینتی ہو بے نیاز	سینچا ہوا حقول نے جسے خونِ ناب سے
گینتی کی ضربِ اوڑبے خامہ کی ضربِ	کہہ دے کوئی جنابِ شریعتِ مآب سے
احرار کے گناہ کو یارب معاف کر	ان کو سچا عقوبتِ روزِ حساب سے

۱۵- بادشاہی مسجد لاہور میں مقدمہ مسجد شہید گنج کی کامیابی کے لئے دستِ دعا بند کرنے سے پہلے اپنی تقریر میں مولانا عطاء اللہ شاہ نے یہ فقرہ ارشاد فرمایا کہ مسجد جب گینتیوں سے گرائی جا رہی تھی تو گینتی کی ہر ضرب مسجد کی چھت پر نہیں بلکہ حقیقت میں اُن کے سینہ پر پڑتی تھی۔

(۱۶۷)

روما کا خطاب لندن سے

ہمیں نے برطانیہ کے نقش قدم پر چل کر
 ہمیں نے گوروں کی روایات کو قائم رکھا
 جہت مستان میں کیا پرچم تہذیب بلند
 ڈال کر کالوں کی گردن میں غلامی کی کمند
 موت کے گھاٹ اتارا انہیں میں نے بیشک
 یہ سمجھ کر کہ ہے یورپ کو یہی چال پسند
 حبشی وحشیوں کے گھر کو اجاڑا میں نے
 کہ بسیں آکے یہاں میرے مہذب فرزند
 جانتا ہوں کہ گلہ اُن کو ہی مجھ سے، لیکن
 یہ وہی شکوہ ہے جو کرتے ہیں تم سے مہمند

نہیں تم کو تو یہ لازم کہ مجھے طعنے دو

”ایں گناہیت کہ در شہر شما نیز کنند“

۱۵۔ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۶۸)

تاجدارِ مدینہ کے غلاموں کی شان

کس کی مجال ہے کہ انہیں کہہ سکے زویل جب اُن کے گھر میں نقرہ و زر کا دفینہ ہے
 سفلی تو آج کل ہیں وہی واڑگوں نصیب ہر روز جن کو حاجت نانِ شبینہ ہے
 پلیسوں سے اُن کی جیب جو ہوتی بھری ہوئی کہتے وہ پھر یہ کیوں کہ مسلمانِ کینہ ہے
 جو آنکھ ہر دم اُس میں کھٹکتے ہیں مثلِ خار جو سینہ ہے ہمارے لئے پُر زکینہ ہے
 تیر افگنی کی خالصہ جی کر رہے ہیں مشق آماج گاہ کے لئے حاضر یہ سینہ ہے
 ہیں لالہ جی بھی خالصہ جی کے رفیقِ کار آزادِ مئی وطن کا یہ اچھا قرینہ ہے
 شاید خبر نہیں یہ ہمارے حریف کو ہم جس کے ہیں غلام وہ شاہِ مدینہ ہے
 تہذیبِ یشرنی کی مسلمان سے ہر نمونہ انگشتِری وہ ہے تو یہ اُس کا نگینہ ہے

اے ربِّ کعبہ بھیج ہو ایسے نجات کی

طوفانِ بپا ہے اور بھنور میں سفینہ ہے

کعبہ اور اُس کی بیٹیاں

مرکز توحید پہلے دن سے ہے بیت الحرام
بیٹیاں کعبہ کی ہیں سارے جہاں کی مسجدیں
نازل اس گھر میں ہوئیں تو جہاں کی رحمتیں
آدمی آغوش نیرداں میں پلا آکر یہاں
نسل آدم کے شرف کا سنا دکھلتا ہو یہیں
نام ہوتا ہے اسی گھر سے بلند اللہ کا
ماتواؤں کو تو انانی اسی گھر سے ملی
جبر و استبداد کی فوجیں اُکیں آکر یہیں
امن کا انعام دلوا یا اسی گھر سے گیا
بریم گیتی کی ضیا اس گھر کی آ زاد ہی ہے
مشرق و مغرب میں ہی پھیلا ہوا جس کا نظام
گھر ہیں تہذیب حجازی کا ہماری مسجدیں
حضرت پیغمبرِ آخر زمان کی رحمتیں
نور کے سانچے میں یہ پتلا ڈھلا آکر یہاں
اُس کی پیشانی پہ تھا جو داغ دھلتا ہو یہیں
فرق مٹتا ہے یہیں آکر گدا و شاہ کا
درد مندوں کو مسیحائی اسی گھر سے ملی
گردنیں کسری و قیصر کی جھکیں آکر یہیں
صلح کا پیغام پہنچا یا اسی گھر سے گیا
اسود و احمر کی رونق اس کی آبادی ہے
جس کے دل میں آئے گا اس گھر کے ڈھانے کا جیلا

خاک میں اُس کو ملا دے گا محمد کا جلال

۱۹۳۶ء
۱۷-اپریل

زیندار کی تعلیم

آزاد و شکی کامل کا ہے جو زندہ زیندار
اس قول پہ ہیں متفق اسلام کے فرزند
بدلی ہے نہ بدلے گی مدینہ کی گورنمنٹ
باطل کے ہر انبیہ کو بتیس برس سے
کیوں گُفر کی آنکھوں میں نہ آجائے چکا چونہ
دل جس کے لئے تار بنا جان بنی پود
تشلیٹ کے کوچوں میں گدائی نہیں کرتا
جب اُس کے لئے غیب کے کھل جائیں خزانے
اسلام سے وابستہ ہوئی زندگی اس کی
عشاقِ نبیؐ کو کبھی موت آنہیں سکتی

جو زندہ ہی جب کیوں نہ ہو یا بندہ زیندار
ہے ملتِ بیضا کا لبِ لباب بندہ زیندار
اور ہے اسی سرکہ رکاکار زندہ زیندار
کرتا چلا آیا ہے پر الگ زندہ زیندار
ایمان کی ہے مشعلِ رخشندہ زیندار
اُس حلقہِ زیبا کا ہے بافتہ زیندار
توحید کی گلیوں کا ہے خواہندہ زیندار
کیوں غیر کے احساں کا ہوشمند زیندار
اسلام کی مانند ہے پایندہ زیندار
پھر کیوں نہ رہے تابہ اپد زندہ زیندار

جو مانگیں مسلمان فقط اللہ سے مانگیں

دے گا یہی تعلیم انہیں آئندہ زیندار

۱۹۳۶ء
۱۹-اپریل

(۱۷۱)

قدرت کے کھیل

یاد اُن دونوں کی لیتی ہے پہلو میں چٹکیاں
جب ہم تھے نہی دامر کے آشت کے سارباں
پانچوں تھیں گھسی میں مڑھتے تھے جس وقت فیاسی
گر پھاگ کھیلے ہیں لنگوٹی میں اہل ہند
ہندو بھی ہے ذلیل مسلمان بھی ہے ذلیل
ہندو کو ہے یہ حکم کہ مکر بھی دم نہ مار
نقاہ جن کے نام کا بچتا تھا رات دن
خواب و خیال ہو گئی آزاد مئی وطن
ہمکا دیا ہو جس نے چھچھو ندر کے سر کو آج

جب تھی ہمارے گھر میں بچی ٹلت کی بل پیل
اور تھی ہمارے ہاتھ میں اس اُونٹ کی کھیل
انگریزی آج پڑھنے ہیں اور بچتے ہیں تیل
قدرت کے بائیں ہاتھ کا ہی یہ بھی ایک کھیل
دونوں کے دونوں ہو گئے اغیار کے وہیل
اور بول دی گئی ہے مسلمان کی دلیل
آباد آج ہیں ہندوستان کے جیل
چڑھتی ہیں نظر نہیں آتی منڈھے یہ پیل
مشرق کے کنٹروں میں ہو وہ مغربی پھیل

پیشانیوں سے دُور ہوں رسوائیوں کے داغ

شیخ اور بہمن کا اگر آج بھی ہو میل

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایک سوال

اس سوال کا محرک ڈاکٹر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کا وہ بے تابانہ بیان تھا۔ جس میں آپ نے اعلان کیا کہ یونیورسٹی کے طلبہ نے مسٹر سمجھاش چند روپس کی گرفتاری پر کوئی احتجاجی جلسہ نہیں کیا۔

آنا نہیں ہے یاد انہیں عہد الست کیوں
کل تک جو ہوشیار تھے ہیں آج مست کیوں
حق کا علم بلند ہوا جس کے ہاتھ سے
باطل سے کھا رہی ہو وہ ملت شکست کیوں
آغوش عرش میں ہوئی تھی جس کی پرورش
وہ ہمت بلند ہوئی آج پست کیوں
اربابِ حل و عقد کی قوت کدھر گئی
چھینا گیا ہو ان سے کشادہ دہشت کیوں
ہندوستان میں کیوں ہیں مسلمان ذلیل و خوار
جو چہرہ دست تھے وہ ہوئے زیر دست کیوں
ہسپانیاں سے جس نے ملایا تھا چین کو
پھر ایک بار ہم نہ لگائیں وہ جست کیوں

شاید جواب اس کا علی گڑھ ہی دے سکے

اب ہیں خدا پرست حکومت پرست کیوں

(۱۷۳)

مسجد انکور اولپنڈی

۲۸-۱ اپریل کو مجھے راولپنڈی جانے کا اتفاق ہوا جہاں میں نے مسجد انکور میں مولانا محمد اسحاق مانسہروی کے ہاں قیام کیا مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا کوشک ہے جس پر انگلو کی بیلین چھائی ہوئی ہیں اسی مناسبت سے مسجد کا نام مسجد انکور ہے۔ یہ بارونق مسجد جہاں قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ مولانا کی سالہا سال کی جانکا ہیوں کا نتیجہ ہے مسجد میں بہت سے صاحب ذوق احباب جمع تھے جن کی فرمائش پر اشعار ذیل زبان پر آ گئے

چلتا ہے یہاں باوہ توحید کا ساغر کہتے ہیں فرشتے اسے انکور کی مسجد
ہیں منیر و مبینار سے سوطور نمودار پھر کیوں نہ کہیں ہم کہ یہ ہے نور کی مسجد
ہیں اس کے نمازی رسن و دار کے شیدا ہے معنی اصلی میں یہ منصور کی مسجد
اسحاق کو اللہ حیات ابدی دے ہے یہ اسی اللہ کے منظور کی مسجد

قیصر کا یہ معبد ہے نہ فقہور کا ہیکل

مشہور ہے دنیا میں یہ فردور کی مسجد

(۱۶۴)

بلستان

۷ مئی ۱۹۳۶ء کے زمینداروں میں میں نے ایک افتتاحیہ سپرو قلم کیا تھا۔ جو ان الفاظ پر ختم ہوا :-

گوری رنگت والے مغربیوں نے اس ڈر سے کہ ایک کالی کلوٹی قوم کو جنگی کمک پہنچانے کا نتیجہ کہیں خانہ جنگی کی شکل میں نہ نکل آئے اس قوم کو اطالوی استعمار کی اٹلی چھری سے ذبح ہو جانے دیا۔ لیکن اگر قانون مکافات دُنیا سے ناپید نہیں ہوا تو دُنیا دور نہیں جب جیشہ کی نوں چکاں نعلن کا بدلہ اٹلی کی سفاکی سے لیا جائے گا اور دُنیا مغربی تہذیب کے بے ملانہ رقص کا تماشا انشا اللہ اپنی آنکھوں دیکھے گی۔

قانون مکافات نے ۱۹۳۱ء سے پہلے ہی اپنا رنگ دکھایا۔ اٹلی سے اس کی سفاکانہ دستبرد کا بدلہ لیا جا رہا ہے۔ اور دُنیا یورپین تہذیب کے بے ملانہ رقص کا تماشا بھی اپنی سینیاں دیکھ رہی ہے۔ ذیل کی نظم بھی ۷ مئی ۱۹۳۶ء کو ہی سپرو قلم کی گئی تھی :-

یہ جا کر کوئی کہ دے مغربی کشور کشاؤں سے کہ ہر بے سود الجھنا رب کبر کی تضادوں سے
بہالے جا چکی ہو بارہا باطل کو روجس کی وہ دریا پھر بسنے کو ہر بطحا کی گھٹاؤں سے

خجاشی کے وطن پر سایہ لطف پمیر ہے نہ ٹکراؤ بلاتان کی کالی ہلاؤں سے
 اثر پھر چھپنے والا ہے محمد کی دعاؤں کا اڈووا کی طرح اقریس ابا با کی قصاؤں سے
 ہلا دی تھیں جہنوں نے روتہ الکبریٰ کی نیایاں مسیوینی کی ٹکڑے پھر ان تیغ آزمائوں سے
 نہیں کر دی گئی تھی تنگ جن کی ترک تازی پر اماں اب مانگی جاتی ہے انہیں کتہ قباؤں سے
 عرب کا اور عجم کا رشتہ رب کعب نے جوڑا بغلیہ آشنا پھر ہو رہے ہیں آشناؤں سے
 گدائے شاہ کو ہر مرتبہ نیچا دکھایا ہے ہوئی ہو جب کبھی شاہوں کی آدینر شگد اول سے
 سلیقہ سیکھنا ہو ہم گدائے کائناتوں پر تو جا کر سیکھ لو یورپ کے جنگی دیوتاؤں سے

وہ نافر جام بڑا ڈوبے سے بچ نہیں سکتا
 خدا کا ساتھ چھوٹا جس کے خود میں خداؤں سے

لاہور۔ ۷ مئی ۱۹۳۶ء

ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ

رونق کا شانہ اسلام انصاری سے تھی مستی رنمناہ اسلام انصاری سے تھی
 گرمی مہنگامہ احمار کہتے تھے اُسے لشکر حق کا علم بردار کہتے تھے اُسے
 اُس کے پیکر کا خمیر مایہ تھی خاکِ حرم گردن اُس کی سامنے باطل کے ہوتی تھی زخم
 وہ عرب کا راہ روٹھا اور عجم کا رہ نور و کوئی بھی میدان تھا ایسا نہ تھا جس کا وہ مرو
 ترک کا دل انقرہ سے چھین کر لایا کبھی محفلِ دہلی کو اٹھ کر اُس نے گر مایا کبھی
 اُس کے ماتم میں سیہ پوش آج ہو ہندو اُس کے غم میں ہو وطن سارا نواسنج فغاں
 زندہ رکھنا چاہتے ہو تم گر اُس کے نام کو
 ہی ٹیکل اس کی کہ رکھو جاری اُس کے نام کو

لاہور۔ ۲۰۔ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۷۶)

امیر شریعت احرار کے مواعظِ حسنہ

فرماتے ہیں شریعتِ احرار کے امیر
اس ملک میں ہیں سلبِ خدا کے سب اختیار
خالی ہوا ہے ترکش تقدیرِ ذوالجلال
امرِ محال ہے یہ کہ مسجد ہو و اگر ازار
مسجد شہید گنج کی ہے مسجدِ ضرار
ابنِ سعود کیا ہی؟ فقط اک حرمِ فروش
اسلامیوں پر اُس نے برساتیں گولیاں
جو ضد ہی اُس کو ہم سے دہ آئی ہو سوئپ کر
قارورہ قادیانیوں سے اس کا بل گیا
ہم کو نسلوں میں جائیں گے یہ مسجدوں میں جائے
ملت کا اتحاد ہے اک ہیکلِ فریب
برطانیہ غنی ہے اور اللہ ہے فقیر
حاشا کہ ربِ کعبہ نہیں ہند میں قادر
باقی نہیں بچا کوئی اس میں قضا کا تیر
برطانیہ کا فیصلہ پتھر کی ہے لکیر
جو اس کا نام لے وہ منافق ہے یا شریہ
برطانیہ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر
پھر کیوں نہ کشتنی ہو زمیندار کا مدیر
مرزائیوں کو دولتِ آزادی ضمیر
ہے آج سے مرید یہ اُن کا وہ اس کے پیر
دیبا ہمارے واسطے اُس کے لئے حصیر
جس کی صلہ سے عام ہے شیطان کی نفیر

جب تک ہوں گے سارے یہ سرار بے نقاب

احرار بن سکیں گے نہ پنجاب کے وزیر

۱۹۳۶ء
۲۳ مئی

(۱۷۷)

دُرہائے ناسفۃ

مُسنّتے ہیں کہ پنجاب میں ہر برسرِ پرچاش اللہ کے قانون سے انگریز کا قانون
اللہ کا قانون ہے قانونِ محمدؐ انگریز کا قانون ہے پر دین کا قانون

مسجد کی حقیقت کو وہ اب تک نہیں سمجھے توحید کا جس میں ہر سیرا یہ وہ گھر ہے
یہ گھر جو ہو برباد تو آجائے قیامت تثلیث پرستوں کو کچھ اس کی بھی خبر ہے

۱۹۳۶ء میں جو لوگ اس قیامت کے قیام کے منکر تھے وہ آج کہ ۱۹۴۱ء کا دورہ
ہے دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ قیامت مسجد شہید گنج کے ڈھا دینے والوں کے سروں پر
کس طرح ٹوٹ رہی ہے۔ فافہم و تدبر!

دعویٰ تھا مسلمان کو حیاتِ ابدی کا
مغرب نے یہ پوچھا کہ میں کیا اس کے دلائل
مسجد سے نکلتے ہی مسلمان پکارا
سن لو کہ میں ہوں خنجرِ تسلیم کا گھائل

تم کو ہے یہ منظور کہ مسجد کو مٹا دو
منظور خدا کو بخدا اور ہی کچھ ہے
لندن نے سُنا یا ہے تمہیں فیصلہ اپنا
اور ہم نے مدینہ سے سُنا اور ہی کچھ ہے

یورپ کے سراپہ وہ سے غریبانِ کل آئی
بانڈ میں کرتی ہوئی رقصِ آپ کی تہذیب
ہم نکلے ہیں پہنے ہوئے توحید کا کنٹوپ
اور آپ کی تہذیب ہے کٹناپ کی تہذیب

۲۸ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۷۸)

میشاق گجرات

واقعہ شہید گنج نے عامہ مسلمین اور مجلس احرار کے درمیان شدید اختلافات کی جو گہری صلح حاصل کر رکھی تھی اس پر چند خیر اندیش مسلمانوں نے افہام و تفہیم سے مصالحت کا پل باندھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مجلس اتحاد و ملت اور مجلس احرار کے سربراہ اور وہ نمایندگان کا ایک اجتماع گجرات میں ہوا اور دونوں جماعتوں نے صلح کے ایک میثاق پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دئے۔ جس میں جانیین نے اقرار کیا کہ آئندہ کے لئے ہم مل کر کام کریں گے اور مسجد شہید گنج کے عقدہ کو حل کرنے کے سلسلہ میں کوئی بات ایسی نہ ہونے پائے گی جو ملت کے انحراف کا باعث ہو۔ لیکن ہنوز اس عہد نامہ کی سیاہی کا غد پر خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ احرار نے اس میثاق کے چڑے اڑا دیئے اور پھر اسی خانہ جنگی کا بازار گرم کر دیا جس کی حرارت نے احرار کے منقل میں پرورش پائی تھی۔ میثاق گجرات کی دھجیاں نضائے آسمانی میں اڑانے کا شرف امیر شریعت احرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو نصیب ہوا۔ ان دھجیوں کی اڑان کی سیر ذیل کی نظم میں کیجئے:-

سہریا زار چھلتی ہم نے پچھیں پگڑیاں اپنی
 خدا کے گھر کی بربادی پہ چنچن آنکھ سے ٹپکا
 پڑھا یا آشتی کا ہاتھ جیباں کی طرف ہم نے
 ہماری جیت میں ہو رازاں کی موت کا پنہاں
 سب اس کو کہتے ہیں کہ چھپ گھر میں جا بیٹھے
 اگر ڈر ہی تو ہو احرار کی مسلم منائی کا
 پڑا ہے جب سے پالافتہ احرار سے ہم کو
 تو روکا بٹھکے دل کے درد کے اظہار سے ہم کو
 جواب اس کا ملا تلوار کی جھنکار سے ہم کو
 پیام زندگی پہنچا ہو ان کی ہار سے ہم کو
 لڑا اگر جنگ کے میدان میں سرکار سے ہم کو
 کوئی طاقت ڈوراسکتی نہیں کفار سے ہم کو

اُٹائیں دھجیاں گجرات کے میثاق کی جس نے
 خداوند اچا اس وضع کے غدار سے ہم کو

۲۰ جون ۱۹۳۶ء

